سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

اپریل تا جون ۲۰۱۶ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

حضرت مولانا پیر فتح الدین چشتی مکھڈی دامت برکاتہم

سجادہ نشین دربار حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ، مکھڈ شریف (اٹک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۰

سہ ماہی مجلّہ

اپریل تا جون ۲۰۱۶ء

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

ہدیہ سالانہ پانچ سو روپے

فی شمارہ 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی — سرورق اینڈ کمپوزنگ: یاسر اقبال، اسلام آباد — تصاویر: محمد زاہد محمود

پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

فون: 0334-8506343 ,0343-5894737 ,0346-8506343 ,0333-5456555

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

''قندیل سلیماں'' کا دسواں شمارہ حاضر خدمت ہے۔ جب اس شمارے کی قرأت سے آپ مستفید ہو رہے ہوں گے تو وہ عظیم ساعتیں برکت و رحمت اور برأتِ دوزخ کے مہینے رمضان المبارک کی ہوں گی۔ ان رحمتوں بھری ساعتوں میں ہر لحہ اللہ رب العزت کی جناب سے رحمت و شفقت کے نئے در وا ہوتے ہیں جس سے گنہگارانِ امت کو مژدۂ بخشش کے اعلامیے سنائے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول کریم رؤف الرحیم ﷺ کا ارشادِ عالی شان ہے کہ رمضان المبارک کی پہلی رات جب ہوتی ہے تو اللہ کریم اپنی مخلوق کی طرف نظرِ رحمت فرماتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر نظر فرماتا ہے تو اس کو کبھی عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روزانہ ہزار در ہزار آدمی دوزخ سے آزاد کر دیے جاتے ہیں۔

''فوائد الفواد'' جلد چہارم کی ساٹھویں مجلس میں حضرت امیر حسن سجزیؒ رقم طراز ہیں کہ ''اسی سال ماہِ محرم کی چھبیسویں تاریخ کو دست بوسی کی دولت تک رسائی ہوئی۔ روزے کی فضیلت اور اس حدیث کا ذکر نکلا کہ **لصائم فرحتان فرحة عندالا فطار وفرحة عند لقا الملک الجبار.** روزہ رکھنے والے کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی اور دوسری فرحت (اللہ) ملک الجبار سے ملاقات کے وقت کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ افطار کے وقت روزے دار کی یہ فرحت کھانے پینے کی فرحت نہیں ہے بلکہ روزہ پورا ہونے کی فرحت ہے۔ یعنی جب روزہ پورا ہو جاتا ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے کہ الحمدللہ مجھ سے یہ چیز پوری ہوئی اور میں دیدار (خداوندی) کی نعمت کا امیدوار بنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر طاعت کی ایک جزاء (بدلہ) مقرر ہے چونکہ روزے کی جزاء دیدار (الٰہی) کی نعمت ہے۔ اس لیے روزہ پورا ہونے پر روزہ دار اس نعمت کی امید سے خوش ہوتا ہے۔ اس درمیان اس حدیث کا ذکر آیا کہ **الصوم لی وانا اجزی بہٖ** (روزہ میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں) حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ

حدیث اس طرح بھی سنی گئی ہے کہ الصائم لی (روزے دار میرے لیے ہے) خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے تبسم فرمایا اور کہا پھر تو انا اجزی لہ '(میں ہی اس کا بدلہ ہوں) کہنا چاہیے! اس کے بعد ان صاحب کی بات کی اصلاح فرمائی کہ اجزی (بہ) کی ب، ل کے معنی میں آئی ہے۔

رمضان المبارک تزکیہ نفس، اطاعتِ الٰہ اور اطاعتِ رسول کی وادیوں میں گم ہو جانے کا مہینہ ہے۔ یہ ماہِ مبارک عالمِ انسانیت کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص محبت و یگانگت اور اخلاص و ایقان کا مہینہ ہے۔ یہ ماہ ہمیں اسلامی نظام حیات کی حسن و خوبیوں کو سمجھنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔ سال بھر کی ہماری کوتاہیوں اور بے ہنگم زندگی کے ثمرات کی خوفناک تصویر جو ہمارے حیاتیاتی کینوس پر عیاں ہوتی ہے، کا تجزیہ کرنے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کو واضح کرتا ہے اور ایک پیغام جو یہ ماہِ مقدس ہم تک پہنچاتا ہے، وہ یہ ہے؛ کہ ہم مسلمان اگر رمضان المبارک میں اپنے اوقات کو اللہ رب العزت اور اُس کے رسول ﷺ کے حکموں کے مطابق ترتیب دے سکتے ہیں تو دیگر ایام میں کیوں نہیں؟ اور اس ماہ میں ہم صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ تلاوتِ کلامِ مجید کا جس خصوصیت سے اہتمام کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ذہنی طور پر نیکیوں کے لیے جس طرح آمادہ کرتے ہیں وہ حُسنِ تمام بعد از رمضان گہنا کیوں جاتا ہے؟ اقرأ کی صدائے دلنشیں ہمارے مشامِ جاں کو معطر کرنے کا ساماں مہیا تو کرتی ہے لیکن ایامِ مختصر کے لیے ہی کیوں؟

○

''قندیلِ سلیماں'' میں دریافت کے سلسلہ میں مولانا شمس الدین اخلاصیؔ کی فارسی مثنوی ''جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ'' کو سات (۷) متواتر اقساط میں پیش کیا گیا۔ اب یہ مثنوی ان شاء اللہ جلد کتابی صورت میں اشاعت آشنا ہوگی۔

مدیر

☆☆☆☆

حفیظ جالندھریؒ

اُسی نے ایک حرفِ کُن سے پیدا کر دیا عالم کشاکش کی صدائے ہاؤ ہُو سے بھر دیا عالم
نظامِ آسمانی ہے اُسی کی حکمرانی سے بہارِ جاودانی ہے اُسی کی باغبانی سے
زمیں پر جلوہ آرا ہیں مظاہر اُس کی قدرت کے بچھائے ہیں اُسی داتا نے دسترخوان نعمت کے
یہ سرد و گرم ، خشک و تر ، اُجالا اور تاریکی نظر آتی ہے سب میں شان اُسی کی ذاتِ باری کی
وہی ہے کائنات اور اُس کی مخلوقات کا خالق نباتات و جمادات اور حیوانات کا خالق
وہی خالق ہے دِل کا اور دِل کے نیک ارادوں کا وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا

بشر کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا جس نے
محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام پر شیدا کیا جس نے

☆☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شوکت محمود شوکتؔ

اِک لطفِ بے کراں سا مسلسل سفر میں ہے
عکسِ حریمِ پاک مری چشمِ تر میں ہے

تیرا وجود منبعِ انوارِ دو جہاں
پرتو ترے جمال کا شام و سحر میں ہے

زہرِ غمِ حیات کا درماں، ترا خیال
قلب و نظر کا چین تری اِک نظر میں ہے

دیکھا ہے کیف و وجد وہ ذکرِ رسول میں
عالم تمام حلقۂ دامِ اثر میں ہے

ڈھونڈے ہے تیرا نقشِ کفِ پائے مشک بُو
قلبِ حزیں ازل سے تری رہ گزر میں ہے

پہنچے درِ رسول پہ مرغِ خیال، روز
وہ اضطرابِ شوقِ سفر بال و پر میں ہے

چارہ گری کی آس، لگائے مسیح بھی
کیا وصف، کیا کمال مرے چارہ گر میں ہے

عشقِ رسول باعثِ تنظیمِ ہست و بود
عشقِ رسول جلوہ نما بحر و بر میں ہے

نعتیں بہ فیضِ رحمتِ خیر البشر کہے
شوکتؔ کے پاس ورنہ کیا بابِ ہنر میں ہے

☆☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

حافظ محمد بخش سیالوی

رحمتِ حق سر بہ سر خواجہ معین الدیں حسنؒ
نائب خیر البشر خواجہ معین الدیں حسنؒ

کُفر کے ظلمت کدوں میں نعرۂ تکبیر آپ
ہند میں بانگِ سحر خواجہ معین الدیں حسنؒ

لاکھوں مشرک ہوگئے اسلام کے حلقہ بگوش
روئے روشن دیکھ کر خواجہ معین الدیں حسنؒ

خانوادۂ چشت کو ہے ناز جن کی ذات پر
بے بہا ایسا گُہر خواجہ معین الدیں حسنؒ

آپ کے زیرِ تصرف کشورِ ہندوستاں
دیر و در زیرِ اثر خواجہ معین الدیں حسنؒ

کون ہے حافظؔ کا بِن تیرے مددگار و معین
بہرِ عثمانؒ اِک نظر خواجہ معین الدیں حسنؒ

☆☆☆☆☆☆☆

سرمایۂ الہام

کلام: بابا فرید الدین شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ

منظوم اُردو ترجمہ: ارشد محمود ناشاد

(۱)

فریدا! جو تَیں مارن مُکیاں تنھاں نہ ماریں گھم

آپنڑے گھر جائیے ، پیر تنھاں دے چُم

☆

فرید جو تُجھ سے لڑیں ہمیشہ، اُن سے تُو مت لڑ

اپنے گھر کا رستہ لے اور اُن کے پاؤں پکڑ

(۲)

جے جاناں لڑ چھجنا ، پیڈھی پائیں گنڈھ

تَیں جے وڈ مَیں نہ کو، سبھ جگ ڈِٹھا ہنڈھ

☆

دامن ہے گر کٹا پھٹا تو ، پکی گانٹھ لگا

جگ میں تُو نے دیکھ لیا ہے کوئی نہیں رب سا

(۳)

آپنا لایا پرم نہ لگ اِی ، جے لوچے سبھ کوءِ

ایہہ پرم پیالہ کھسم کا، جَیں بھاوے تَیں دےءِ

☆

اپنی رضا سے عشق خزانہ ہرگز ہاتھ نہ آئے
سائیں کی مرضی سے پائے، جو یہ دولت پائے

(۴)

فریدا! در درویشی گاکھڑی، چلاں دُنیا بھت
بنھ اُٹھائی پوٹلی ، کتھے ونجاں گھت

☆

زید فقیری کارِ مشکل ، دُنیادار بنوں
مگر ہے سر پر فقر کی گٹھڑی، اس کو کہاں دھروں؟

(۵)

دیکھ فریدا جو تھیا ، شکر ہوئی وِس
سائیں باجھوں آپنے ویدن کہیے کِس

☆

دیکھ فرید ہوئی ہے کیسے شکر زہر مثال
بن سائیں بتلائیں کس کو اپنے غم کا حال

☆☆☆

رحمۃ للعالمین ﷺ

محمد عمر قذافی ☆

قادرِ مطلق نے بنی آدم کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں ہر قوم کے لیے ہر علاقے میں انبیاء ورُسل مبعوث فرمائے۔ تاکہ انسانیت، رحمٰن کی رحمانیت اور شیطان کی شیطانیت میں فرق کا تعین کر کے حق کے رستے کو اپنا سکے اور وحدہٗ لاشریک کے حضور سرخرو ہو سکے۔۔ جب انبیاء ورسل کے سلسلے کی آخری کڑی کو مبعوث فرمایا تو نہ کسی علاقے تک محدود رکھا اور نہ کسی اکیلی قوم کے لیے فائدہ مند بنایا بلکہ " **وما ارسلنك الا رحمة اللعا لمين** " فرما کر کائنات کی ہر شے کو اپنی کامل ترین تخلیق سے رحمتوں کے خزانے فراہم کیے۔ آپ ﷺ کی رحمت یوں تو آپ ﷺ کی ظاہری آمد سے پہلے بھی کائنات پر برستی تھی۔ اہلِ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کے وسیلہ مبارک سے رحمتوں کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لیکن تریسٹھ سالہ ظاہری حیات میں آپ ﷺ کی رحمت پورے جوبن پر رہی۔ طائف میں تبلیغ کے دوران جب وجہ وجودِ کائنات پر پتھر برسائے گئے تو لہو پاؤں مبارک تک آ گیا اور چلنا دشوار ہو گیا۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا۔ اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں تو اس قوم کو تباہ و برباد کر دوں، لیکن رحمتوں کے پیکر نے دعا فرمائی "یا اللہ انھیں ہدایت عطا فرما"، فتح مکہ کے موقع پر وہ تمام سر جھکے ہوئے تھے جو کبھی نخوت و تکبر سے اُٹھے رہتے تھے۔ آج اُن کی زندگی کے فیصلے فاتح مکہ کے ہاتھ میں تھے۔ پھر اُن کی سماعت نے رحمت سے بھرپور آواز سنی۔ "آج تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ تم سب آزاد ہو"

آپ ﷺ سے رحمت کے طلبگار شجر و حجر اور جانور بھی ہوئے۔ کبھی اونٹ آپ ﷺ سے اپنے مالک کی شکایت کرتا اور کبھی کھجور کا تنا آپ کی جدائی کے خوف سے رونے لگتا۔ آپ ﷺ

☆ پی۔ ایچ ڈی اسکالر، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

کا دستِ شفقت سب کی دلجوئی کرتا۔ غرضیکہ رحمتوں کا یہ سمندر تمام ظاہری عمر میں اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ بہتا رہا۔ آپ ﷺ کے ظاہراً پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ آج بھی اگر کوئی اُمتی دنیاوی سہاروں سے مایوس ہوکر قادر مطلق کو آپ ﷺ کی رحمت کا واسطہ دے تو اُس کی مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ دنیا کے تمام مسلمانوں پر تو آپ ﷺ کی رحمتوں کا چرچا فرض ہے۔ مگر دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی آپ ﷺ کی شانِ مبارک میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں اُن لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جنھوں نے بنی نوع انسان کو اپنی دور اندیشی سے متاثر کیا۔ انھی میں سے چند مفکرین، دانشوروں اور شعرا کی عقیدت کے پھولوں کو اگر الفاظ کی شکل دی جائے تو صفحۂ قرطاس پر یوں بکھریں گے۔

محمد ﷺ عظیم ترین ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ (جارج برنارڈ شا)

محمد ﷺ سردارِ اعظم ہیں۔ آپ ﷺ نے اتحاد کا درس دیا۔ تنازعات کو ختم کردیا اور تھوڑی ہی مدت میں آپ کی اُمت نے آدھی دنیا کو فتح کرلیا۔ (نپولین بوناپارٹ)

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ اس کی اشاعت کا سبب محمد ﷺ کے کردار کی عظمت اور اوصافِ حمیدہ تھے اور ان کا ایمان، ایقان اور ایثار۔ ان صفات نے لوگوں کے دِلوں کو مسخر کرلیا تھا۔ (گاندھی جی)

انسانیت کسی شرارے کی منتظر تھی وہ شرارہ محمد ﷺ کی صورت میں آیا اور تمام انسانیت کو منور کرگیا۔ (ٹامس کارلائل)

اسلام دنیا کے مذاہب میں بڑا مذہب ہے۔ نبی اعظم ﷺ کا پیغام سراسر رحمت اور ساری دنیا کے لیے ہے۔ دنیا امن وسکون اسی پیغام سے حاصل کرسکتی ہے۔ (رابندر ناتھ ٹیگور)

میرا تعلق ایسے مذہب سے ہے، جس کی بنیاد الہامی کتاب پر نہیں۔ لیکن عالمگیر اخوت کے جو نقوش میرے دل میں موجود ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کی پاکیزگی اور عظیم ہستی کی بدولت ہیں۔ آپ ﷺ کو اس عظیم الشان اور عجیب وغریب صداقت کا مکمل علم تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی ذات کو معبودیت اور پر

ستش کا محل قرار نہیں دیا۔ اور ایک خدا کا تصور دیا کہ تمام اقوام اور تمام ممالک کے لوگوں کا ایک ہی خدا ہے۔ اسلام میں حقیقی اور خالص جمہوریت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ جو نام نہاد جمہوریت کی بے حقیقت اشکال سے بالاتر ہے۔ (سروجنی نائیڈو)

جوانی کی عمر میں حضورﷺ کے سلوک اِن کے اخلاق کی راستی اور پاکیزگی اُس زمانے میں ناپید تھی (ولیم مور)

محمدﷺ کامل ترین فطری صلاحیتوں سے آراستہ تھے۔ شکل وصورت میں انتہائی حسین وجمیل، فہم وفراست میں دوررس، عقل ودانش والے اور انتہائی اعلیٰ اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے۔ غربا پرور، ہر ایک سے متواضع۔ دشمنوں کے مقابلے میں صاحبِ استقلال وشجاعت اور خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہنے والے تھے۔ (جارج سیل)

حضرت محمدﷺ کی تمام زندگی تمام انسانیت کے لیے بہترین مثال ہے۔ ہمیں دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ اور امن کے قیام کے لیے پیغمبرِ اسلام کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہوگا۔ پیغمبرِ اسلام کا امن، محبت، انصاف اور مذہبی رواداری سے بھرپور پیغام ہمیشہ تمام انسانیت کے لیے مشعلِ راہ رہے گا۔ (دلائی لامہ)

مجھے لکھنا ہے اک انسان کا باب تابندہ
منور جس کے ہوں الفاظ، مصرعے جس کے رخشندہ
مجھے اِک محسنِ انسانیت کا ذکر کرنا ہے
مجھے رنگِ عقیدت فکر کے خاکے میں بھرنا ہے
وہ کیا ساماں تھے جب اتری تھی رحمت دو جہانوں کی
بلندی مل گئی کیوں کر زمین و آسمانوں کی
(جگن ناتھ آزاد)

اے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے پیغمبرِ عالی وقار
چشمِ باطن بیں نے دیکھی تجھ میں شانِ کردگار

تیرے دم سے گُل نظر آئے ہیں وہ عرفاں کے خار
خوبیوں کا ہو تری کیونکر بھلا ہم سے شمار
نور سے تیرے ، اندھیرے میں درخشانی ہوئی
تیرے آگے آبرو کفار کی پانی ہوئی

(سردار بشن سنگھ بیکل)

کیا شان ہے جنابِ رسالت مآبؐ کی
نظریں جھکی ہوئی ہیں مہ و آفتاب کی
قرآنِ پاک اس کی صداقت پہ ہے گواہ
تھی کن بلندیوں پہ رسائی جناب کی
مرہونِ لطف صرف مسلمان ہی نہیں
منت کشِ کرم ہے خدائی جناب ﷺ کی
اکمؔل کہیں مقامِ ادب ہاتھ سے نہ جائے
توصیف لکھ رہے ہو رسالت مآبؐ کی

(پنڈت رام پرتاب اکمل)

جمہور و مساوات کا پیغمبر ہے
آئینۂ حالات کا پیغمبر ہے
اے خطۂ بطحا و عرب کے باسی
تو کشف و کرامات کا پیغمبر ہے
سچ ہے ترے اطوار کا ثانی نہ ملا
اس صدق کا ایثار کا ثانی نہ ملا
ویسے تو ملے لاکھ نقوشِ تازہ
لیکن ترے کردار کا ثانی نہ ملا

(ستیہ پال اخترؔ)

شراب نوشی کی بدعت کو اس طرح روکا
کہ اس کا پینا پلانا حرام ہو جائے
سکھایا اہلِ عرب کو برابری کا سبق
کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے
ترے خیال میں یہ سخت نا مناسب تھا
بشر کسی بشر کا غلام ہو جائے
رفاہِ عام ہی تیرا تھا جب کہ نصب العین
لقب نہ کیوں ترا خیرالانام ہو جائے
(دھرم پال گپتا وفا)

مالک عرشِ بریں و صاحبِ خلدِ بریں
تاجدارِ ارضِ بطحا یا امام القبلتینؐ
رحمۃ اللعالمین محبوبِ رب العالمین
صاحب المعراج و اسرایا رئیسِ کعبتین
یاحبیب المرسلین و یا نبی الآخریں
یا جمال المرسلین و یا رسول اللعالمین
یا رسول المسلمین و المومنین العاشقیں
نورِعین الانبیاء محبوب رب المشرقین
السلامُ و السلام اے سرورِ دنیا و دیں
السلامُ والسلام اے فاتحِ بدر و حنین
(بھگوان داس بھگوان)

تکمیلِ معرفت ہے محبت رسول ﷺ کی
ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول ﷺ کی

ہے مرتبہ حضور ﷺ کا بالائے عقل و فہم
معلوم ہے خدا ہی کو عزت رسول ﷺ کی
ترتیب دی گئیں شبِ اسریٰ کی خلوتیں
صلِ علیٰ یہ شان یہ عظمت رسول ﷺ کی
فرمانِ ربِّ پاک ہے فرمانِ مصطفیٰ ﷺ
احکامِ ایزدی ہیں ہدایت رسول ﷺ کی

(کنورمہندر سنگھ بیدی سحر)

یہ خیالات چند مفکرین، دانشوروں، شعراء اکرام اور عالمِ انسانیت پر اثر انداز ہونے والی ہستیوں کے ہیں۔ ورنہ اس ابرِ رحمت کی تعریف وتوصیف کا سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اگر تمام سمندروں اور دریاؤں کو سیاہی کی شکل دیدی جائے اور تمام اشجار کو قلم کی صورت پھر بھی حقِ توصیف ادا نہ ہو سکے گا۔ مختصر یہ کہ آپ ﷺ خالقِ ارض وسما کی کامل ترین تخلیق ہیں۔ اور کائنات کی ہر شے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کی لامحدود رحمت کی وسعتوں کا چرچا اور حکم ربانی کی تعمیل کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوارے، کسی شاعر کی سوچ جب تمام ممکنات کی حدود سے آگے گزر گئی تو اُس نے یہ کہہ کر قلم توڑ دیا۔

لا یمکنِ الثناءُ کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

☆☆☆☆☆

مولوی محمد خدا بخشؒ

محمد توقیر احمد ملک☆

سماج کی تشکیل میں مختلف نسبتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ان میں سے علمی وروحانی نسبت سب سے قوی اور ہمہ گیر اثرات کی حامل ہوتی ہے۔مشرقی معاشرے میں گوناگوں انسانی فطرتوں کے بیچ و بیچ علمی وروحانی نسبتوں کے شفاف سرچشمے معاشرے کے ظاہر اور باطن کو سنوارنے کا کام کرتے ہیں۔شفاف اس لیے کہا کہ اب شفافیت اور شقاقیت میں فرق مٹتا جارہا ہے۔حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے دست گرفتہ اور نگاہ یافتہ مولوی محمد خدا بخشؒ شفاف نسبت کے بزرگ اٹک میں ہو گزرے ہیں۔تجلیاتِ مہر کی یہ کرن عجیب وغریب رنگوں سے تشکیل پائی تھی۔علم، حکمت، دولت، عزت غرض ہر چیز کے حامل اس شخص کو ان تمام چیزوں سے لاتعلق پایا۔نہ علم کا زعم، نہ ثروت مندی کا غرور نہ نسبت کا گھمنڈ اور نہ ہی کسی انبوہِ کثیر کا متمنی......خدا خوفی سے چور اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے مسرور اپنی ذات میں گم......لامکاں کا مسافر۔میری سماعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُس فقیرِ بے ریا کی لہکتی ہوئی بانگِ اذان نے میرے مشامِ جاں کو بارہا معطر کیا۔ہر چند کہ اُس وقت اُس کی تفہیم اور اس کے پیچھے تڑپتی ہوئی پکار میرے لیے بے معنی تھی۔زمانے میں زمانے کے لیے زمانے سے جدا ہو کر رہنے کا نظارہ بھی میری آنکھوں نے دیکھا مگر اس وقت کیا خبر تھی کہ زمانہ کیا ہے اور اس سے تعلق کیا ہوتا ہے۔

☆ لیکچرار اُردو، گورنمنٹ ڈگری کالج، بسال

برسوں بعد پچھلے برس دل میں جستجو ہوئی کہ اس درویشِ باصفا اور فقیرِ بے ریا کے احوال معلوم کروں۔ یہ دیکھوں کہ کوئی زمانے سے جدا کیوں رہا، وضع قطع میں، تراش خراش میں، چال ڈھال میں۔ زمانے کا رنگ اس پر کیوں نہ چڑھا؟ وہ کیوں یک رنگ رہا، زمانے سے جدا رنگ میں۔ اس کے لیے ان کے صاحبزادے محمد نصیر احمد صاحب سے ملا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ ان کے احوال نہ تو خود انھوں نے قلمبند کیے ہیں اور نہ ہی کسی اور نے البتہ معلومات موجود ہیں۔ وہ غالباً ایسا چاہتے بھی نہ تھے۔ نصیر صاحب لاڈلے مگر بیشتر اوقات معتوب رہے اور مولوی صاحب کا زیادہ قیام بھی انھیں کے ہاں رہا؛ اس لیے بہت سی زبانی معلومات ان کے حافظے میں محفوظ تھیں۔ انھوں نے کمالِ شفقت سے یہ معلومات آنسوؤں میں بھگو بھگو کر مجھے فراہم کیں۔ اس مضمون سے متعلق جملہ معلومات کا مآخذ مولوی محمد خدا بخشؒ کے صاحبزادے محمد نصیر صاحب ہیں۔ یہ معلومات مولوی صاحب کی زبانی نصیر صاحب کو حاصل ہوئیں تھیں۔ مولوی صاحب کے احوال کی تفصیلات بہت دل کش، معلومات افزا اور روح پرور ہیں۔ اسی لیے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اسے ہدیۂ قارئیں نہ کروں گا تو ناانصافی ہوگی۔

مولوی خدا بخشؒ کھٹڑ قبیلے کے ایک علمی گھرانے میں ڈھیری کوٹ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپؒ کا تعلق ضلع اٹک کے گاؤں مٹھیال سے تھا۔ آپؒ کے والد کا نام مولوی محمد نصیر الدینؒ تھا۔ مولوی محمد نصیر الدین باعمل عالم تھے۔ آپؒ نے درس وتدریس سے فراغت کے بعد اپنے گاؤں مٹھیال کی مرکزی جامع مسجد میں امامت کے فرائض سنبھالے۔ اس کے بعد ڈھیری کوٹ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے امامت کے ساتھ خطابت کے جوہر بھی دکھائے۔ ڈھیری کوٹ قیام کے دوران میں ان کے ہاں ۱۲ مئی ۱۹۱۳ء کو مولوی محمد خدا بخشؒ پیدا ہوئے۔ پیدائش کے

دودن بعد آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔اس کے بعد آپ کے والد نے مٹھیال مراجعت کی اور جامع مسجد میں امامت و واعظ کی ذمہ داری سنبھالی۔ مولوی محمد خدا بخشؒ کے دادا مولوی شاہنوازؒ حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے ہم سبق پیر بھائی تھے۔ حضرت خواجہ امیر احمد بسالویؒ کی تجویز پر برادر اکبر مولوی اللہ بخشؒ اور ماموں مولوی عبدالغنیؒ آپ کو حضرتِ اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے اُن کی خدمت میں رہ کر سلوک کی ابتدائی منازل طے کیں۔ کسبِ فیض کے ساتھ حضرتِ اعلیٰؒ کے آخری غسل کی سعادت بھی آپ دونوں بھائیوں کا حصہ تھا۔ حضرت علامہ غازی صاحبؒ نے حضرتِ اعلیٰ کو غسل دینے کی برکات حاصل کیں، مولوی محمد اللہ بخشؒ اور مولوی محمد خدا بخشؒ نے پانی کے کوزے پکڑانے کی خدمت انجام دی۔ حضرتِ اعلیٰؒ کے بعد اُن کے فرزندِ ارجمند غلام محی الدین (حضرت بابو جیؒ) آپؒ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ بابو جیؒ، لالہ جی صاحبان (پیر معین الدینؒ، شاہ عبدالحقؒ) کے ساتھ آپ کو تیسرا بیٹا شمار کرتے اور سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ آپؒ نے لالہ جی صاحبان کے ساتھ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے علمی مدارج مولوی، منشی فاضل، عالم، ادیب اور علامہ تک طے کیے۔ بہت ذہین، عاشقِ کتاب و سنت اور متقی تھے، اسی وجہ سے نسبی فوقیت کے باوجود خاندانِ مہریہ میں ان کی بہت زیادہ قدر کی جاتی تھی۔ تحصیلِ علم کے بعد گولڑہ شریف مدرسے کا پہلا مدرس ہونے کا اعزاز بھی انھی کو بخشا گیا۔ یہاں قریباً دس برس تک تدریس اور امامت کے فرائض آپؒ کے سپرد رہے۔

آپؒ عالمِ باعمل اور درویشِ باصفا تھے۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز حضرت بابو جیؒ کے ساتھ دہلی، اجمیر، لکھنؤ، بغداد، شام، عراق، مدینہ، مکہ، روم اور شام وغیرہ کے علمی و روحانی اسفار طے کیے۔ عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ قرآن، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور حاصل تھا۔ مناظرے

میں بڑے بڑے علما اُن کے سامنے دبک کر رہ جاتے تھے۔ اُن کا جلال اور علمی دلائل ''فبھت الذی کفر'' ہوتے تھے۔ طریقت و شریعت اپنے تمام تر جلال و جمال کے ساتھ ان کی ذات اقدس میں جمع تھی۔ متاعِ دنیا ان کے قدموں میں تھی، مگر اس طائرِ لاہوتی نے اسے ٹھکراتے ہوئے ہمیشہ ابدی فوز و فلاح کو پیش نظر رکھا۔ تحصیلِ علم اور اتباعِ سنت اُن کی زندگی کے بنیادی مقاصد تھے۔ خشیتِ الٰہی کے اُس مقام پر تھے جہاں ماسوا کا ذرّہ برابر بھی خوف نہ تھا۔ اتباعِ سنتِ رسول ﷺ میں اس قدر سخت واقع ہوئے تھے کہ رسول کریم ﷺ کی ناراضگی کے سوا کسی کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ نام و نمود سے یکسر بے نیاز، حقیقی معنوں میں فنافی اللہ اور فنافی الرسول تھے۔ فقر و استغنا میں جو بے باکی ہوتی ہے وہ ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔ کتاب و سنت کے ایسے عارف تھے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو ایسی سہولت اور آسانی سے حل فرماتے کہ گویا کوئی مشکل ہی نہ ہو۔ آپؒ نے ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ ۸۹ برس کی عمر میں جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ آپؒ کو وصیت کے مطابق والد اور دادا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مٹھیال گاؤں کے مرکزی قبرستان میں ہے۔

مولوی خدا بخشؒ کے والد مولوی نصیر الدین ڈھیری کوٹ بڑی جامعہ مسجد کے خطیب تھے۔ آپ کی والدہ کا انتقال ڈھیری کوٹ میں ۱۵ مئی ۱۹۱۳ء میں ہوا؛ آپ وہیں آسودۂ خاک ہیں۔ اُن کے انتقال کے بعد آپ کے والد اہل و عیال سمیت مٹھیال گاؤں واپس آ گئے۔ والد نے مولوی خدا بخشؒ کی تعلیم و تربیت انہی مذہبی بنیادوں پر استوار کی جو پشت ہا پشت سے اُن کے خاندان میں مستحکم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ مڈل سکول بسال میں عصری تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ ابھی دس برس ہی گزرنے پائے تھے کہ شفیق والد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ

گیا۔اُن کے بعد آپ کی کفالت مولوی عبدالغنیؒ نے کی جو رشتے میں آپ کے ماموں تھے۔مولوی عبدالغنیؒ بھی مٹھیال کی جامع مسجد کے خطیب رہے۔فرائض کی ادائیگی کے معاملے میں انتہائی فکر مند رہتے تھے۔ بروقت نماز کی ادائیگی کے لیے سختی سے گھروں سے نمازیوں کو بُلا کر لاتے تھے۔اٹک کے معروف محقق و نعت گو شاعر حضرت نذر صابری صاحبؒ کی ذاتی ڈائری میں ایک بائیوگرافیکل نوٹ مولانا خدا بخشؒ کی شخصیت پہ ہے،اس نوٹ میں اُن کے ماموں مولوی عبدالغنیؒ سے متعلق یہ عبارت درج ہے: ''اُن کے ماموں مولانا عبدالغنیؒ مٹھیال کی مسجد کے امام تھے۔ ایک بار وہ چند خطیب احباب کے ساتھ حضرتِ اعلیٰؒ (پیر مہر علی شاہ صاحبؒ) کی زیارت کو گئے۔ مارگلہ ستانے بیٹھے تو باتوں باتوں میں انھوں نے کہا کہ میں تو آپؒ سے عشق مانگوں گا۔آپؒ کے پاس پہنچے،تو آپؒ نے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ کتنے دلیر لوگ ہیں جو عشق کی خواہش کرتے ہیں۔ ہم نے تو اِس کی ہوا بھی نہیں سونگھی۔آپؒ کا اشارہ اُسی گفتگو کی طرف تھا جو مارگلہ کی پہاڑی میں ہوئی۔''

مولوی خدا بخشؒ نے ۲۸/۱۹۲۷ء میں مڈل کا امتحان دیا۔اس کے بعد پنڈی سرال تحصیل جنڈ ضلع اٹک کے جید عالم قاضی عبدالرحمٰن کے حلقۂ درس میں گئے۔تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ حضرت خواجہ امیر احمد بسالویؒ نے آپ کے بڑے بھائی مولوی اللہ بخشؒ کو حکم دیا کہ خدا بخش کو گولڑہ شریف لے جاؤ۔اسی اثنا میں دسمبر ۱۹۲۷ء میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ ریل کے ذریعے میانوالی تشریف لے جا رہے تھے۔ریل نے رات بارہ بجے بسال اسٹیشن سے گزرنا تھا۔ مولوی عبدالغنیؒ اور کچھ ارادت مند عشاء کی نماز کے بعد تواضع کا سامان لیے ریلوے اسٹیشن آئے۔ مولوی خدا بخشؒ بھی ساتھ ہو لیے۔ریل کا انتظار ریلوے اسٹیشن کے سامنے والی مسجد میں کیا گیا۔

موسم شدید سرد تھا اور بارش بھی ہو رہی تھی۔ جب گاڑی کے آنے کا وقت ہوا تو سب لوگ استقبال کو رخصت ہونے لگے؛ بارش کے باعث ماموں نے مولوی خدا بخشؒ کو ساتھ جانے سے روک دیا۔ انھوں نے ساتھ جانے کے لیے اصرار کیا، ماموں نے سختی سے منع کر دیا۔ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اُن کے جانے کے بعد' میں مسجد میں داخل ہوا اور چیخ چیخ کر رو دیا؛ اور کافی دیر تک روتا رہا۔ اس دوران میں جب زیادہ سردی محسوس ہوئی تو مسجد کی پرانی دریاں اور ببڑ (گھاس) اوپر ڈال کر سو گیا۔ اِس نیند کے دوران خواب دیکھا: ''پیر صاحبؒ نے مجھے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑا اور فرمایا خدا بخش رو نہیں، میں تمھیں جلد گولڑہ بلا لوں گا۔'' خدا بخشؒ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے، فرمانے لگے کہ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں جن سے ملنا چاہتا تھا، خواب میں ملاقات ہو گئی اور میں پُرسکون ہو گیا۔ اِس واقعے کے تین ماہ بعد مارچ ۱۹۲۸ء میں آپ گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔

گولڑہ شریف جاتے ہی آپؒ کے بختِ رسا کے حصے میں اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت آئی جو آپؒ اعلیٰ حضرت کے وصال تک انجام دیتے رہے۔ ایک مرتبہ آپؒ نے اعلیٰ حضرتؒ سے بیعت کی خواہش کی۔ اعلیٰ حضرتؒ نے غور سے دیکھا...... اور پھر بعد میں اکیلے میں بیعت فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد آپؒ نے دوبارہ اس خواہش کا اظہار کیا؛ پیر صاحبؒ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا پہلے بیعت ہو چکے ہو، مولوی صاحب نے عرض کی دوبارہ جی چاہتا ہے؛ آپؒ نے کمالِ شفقت سے دوبارہ بیعت کا شرف بخشا۔ مولوی خدا بخشؒ اعلیٰ حضرت کی قیام گاہ کے باہر ہر وقت موجود رہتے اور گاہے بگاہے خدمت انجام دیتے رہتے۔ پیر صاحبؒ کے شب و روز کے معمولات آپؒ کی ذہنی و روحانی تربیت کا سامان کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہیں مولانا محمد غازی خانؒ سے

مشکوٰۃ شریف کا آغاز بھی کیا۔ مولانا غازی صاحبؒ حضرت بابوجیؒ کے استاد تھے؛ بعد میں لالہ جی صاحبان اور مولوی خدا بخشؒ بھی اُن سے درسِ نظامی میں شامل کتب کا درس اُن کی وفات (۱۹۳۸ء) تک لیتے رہے۔ حضرت غازی صاحبؒ کے بارے میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا فرمان تھا کہ ''اگر مجھے کسی شخص کے علم پر بھروسہ ہے تو وہ یہی ہے''

(فرموداتِ مسافر چندروزہ؛ ص ۱۶)

حضرت غازی صاحبؒ ضلع اٹک کے علاقہ چھب کے گاؤں موچی کڑی کے رہنے والے تھے۔ ''ضیائے مہر'' کے مؤلف مولانا مشتاق احمد چشتی نے لکھا ہے: ''مولانا محمد غازی خان علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان قبیلہ کے فرد تھے۔ آپ مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔ حاجی رحمت اللہ صاحب سے مکہ شریف میں علمِ حدیث کی سند حاصل کی اور وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس تعینات ہو گئے۔ آپ تفسیر وحدیث، منطق وکلام، فلسفہ وفقہ اور دیگر تمام متداولہ علوم میں اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے تھے۔ علمِ تجوید وقرأت میں خصوصی مہارت کے مالک تھے۔ جب سید پیر مہر علی شاہؒ بسلسلہ حج مکہ شریف پہنچے تو پہلی ہی نظر میں آپ انکی محبت میں اسیر ہو گئے اور پیر صاحب کے ہمراہ گولڑہ شریف آ گئے، مولانا محمد غازی خانؒ کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضرت بابوجیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت آپ کے تلامذہ میں شامل تھی۔ آپ نے مکہ شریف سے آ کر باقی تمام عمر گولڑہ شریف درس وتدریس میں گذار دی اور یہیں حضرت بابوجی صاحبؒ کے جوار میں مدفون ہوئے۔''

(ضیائے مہر؛ ص ۱۵۰)

''فرموداتِ مسافر چندروزہ'' کے مؤلف غلام عبدالحق محمد صاحب نے مکہ میں غازی صاحب کی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے ملاقات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا

ہے: ''حضرت مولانا محمد غازی صاحب انتہائی سادہ اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔آپ مدرسہ صولتیہ کے مدرس تھے۔انھوں نے مکہ شریف میں سنا کہ پنجاب (ہندوستان) کے ایک پیر صاحب (سیدنا مہر علی شاہؒ) نئے نئے فارغ التحصیل ہوئے ہیں اور بڑے عالم فاضل سمجھے جاتے ہیں اور اسی سال حج کے لئے حجاز مقدس آنے والے ہیں۔تو اپنے ایک بنگالی عالم دین کے ساتھی کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ جب وہ پیر صاحب حج کے لئے مکہ مکرمہ آئیں تو ان سے مناظرہ کریں گے۔اسی اثناء میں (۱۳۰۷ھ)[بمطابق ۱۸۹۰ء] حج کا موسم آگیا اور حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحبؒ اس سال حج کے لئے دیارِ مقدس پہنچ گئے تو مولانا محمد غازی صاحب اور ان کے ساتھی نے تلاشِ بسیار کے بعد ایک روز حضرتؒ کو حرم شریف میں پالیا۔دونوں آپ کے پاس آئے اور ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔حضرت نے دونوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ فرمایا۔دونوں آپ کے پیچھے بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ بات کا آغاز کس طرح کریں گے اور کون سے سوالات پہلے اٹھائیں گے۔حضرت مولانا محمد غازی صاحب (بحوالہ حضرت لالہ جی صاحبان) فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے اسی اثنا میں حضرت پیر صاحب کی پشت مبارک کو ایک نظر دیکھا حضرت قبلہ پیر صاحب پر تجلیات الٰہیہ کا نزول تھا جن کی وجہ سے ان پر کچھ ایسی کیفیات طاری ہو گئیں کہ وہ بے بس ہو کر اشکبار ہو گئے اور جب جھکی نظروں سے اپنے بنگالی ساتھی کو دیکھا تو وہ بھی انہی کیفیتوں سے سرشار ہو کر اشکبار تھے۔

جب حضرت پیر صاحب وظائف سے فارغ ہوئے تو دونوں حضرات کی طرف متوجہ ہوئے لیکن ان دونوں کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔حضرت پیر صاحب نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا مولوی صاحب صبر کریں اس تسلی کے بعد جب دونوں حضرات کے آنسو تھم گئے

تو وہ مناظرہ اور سوالات کو بھول کر حضرت پیر صاحب سے عرض گزار ہوئے کہ حضور! آپ کا قیام کہاں ہے۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا حرم شریف ہی میں رہتا ہوں۔ مولانا غازی صاحبؒ نے بیحد اصرار کے بعد آپ کو اپنی قیام گاہ پر جانے کے لئے راضی کر لیا۔ جب قبلہ پیر صاحب ان کی قیام گاہ پر تشریف لائے تو مولانا غازی صاحب نے آپ کے لئے غسل کا اہتمام کیا۔ حضرت پیر صاحب کے بدن مبارک پر ایک قمیص تھی۔ اس سفر میں آپ کے پاس صرف وہی ایک قمیص تھی جو پسینہ مبارک میں پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ مولانا محمد غازی صاحب نے اپنی نئی غیر استعمال شدہ قمیص پیش کی مگر حضرت قبلہ پیر صاحب نے غسل فرمانے کے بعد وہی اپنی پرانی قمیص زیب تن فرمالی۔ مولانا محمد غازی صاحب نے افسردہ ہو کر وجہ معلوم کرنا چاہی تو فرمایا مولوی صاحب ہمارے مشرب میں دوئی کفر ہے۔ ایسے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ نئی قمیص تو مولوی صاحب کی ہے اس لئے نہیں پہنی۔ مولانا غازی صاحب یہ سوچ کر کہ حضرت پیر صاحب نئی قمیص نہیں پہنتے، نہایت رنجیدہ خاطر ہوئے؛ ہاتھ میں پکڑا ہوا پانی کا برتن زمین پر گرادیا اور وہاں سے چل دیئے۔ حضرت پیر صاحب سے ان کا رنج دیکھا نہ گیا تو انہیں آوازیں دے کر واپس بلایا اور نہایت شفقت فرمائی۔ ان کی نئی قمیص قبول فرما کر زیبِ تن فرمائی اور اپنی قمیص انہیں عطا فرمائی۔" (ص ۱۵)

حضرت بابو جیؒ کے وہ خط جو انھوں نے لالہ جی صاحبان کو جامعہ عباسیہ بہاولپور کی تحصیل کے دوران ۳۸ء سے ۴۷ء کے دروان میں لکھے؛ اُن میں سے بیشتر خطوط میں مولانا محمد خدا بخشؒ کے نام کے ساتھ "مولوی" لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جامعہ عباسیہ داخلے (۱۹۳۸ء) سے پہلے محمد خدا بخشؒ غازی صاحب سے مولوی کے درجے تک کی تحصیل بھی کر چکے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ گولڑہ شریف مدرسے میں درس و تدریس کا آغاز بھی کیا۔ چشتی صاحب حضرت بابو جیؒ کے

پاس درس لینے کے لیے آئے، بابو جیؒ نے انھیں مولوی محمد خدا بخشؒ کا شاگرد بنا دیا۔ گویا مدرسے کی داغ بیل بابو جیؒ نے مولوی خدا بخشؒ کے ہاتھوں ڈالی۔ اس دوران میں بابو جیؒ کی خط و کتابت بھی مولوی خدا بخشؒ کرتے رہے۔

مولوی خدا بخشؒ فرماتے تھے کہ ایک روز استادِ مکرم جناب محمد غازی خان صاحبؒ نے تربوز کھانے کی فرمائش کی۔ برسات کا موسم تھا، شدید بارشوں کی وجہ سے ندی نالوں میں طغیانی تھی۔ تربوز لانے کے لیے برساتی نالے کو عبور کرنا تھا جو نہ صرف پانی سے بھرا ہوا تھا بلکہ پانی کا زور بھی کافی تھا۔ میں نے خطرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نالہ عبور کرنے کی کوشش کی؛ مگر پانی کا بہاؤ اس قدر زیادہ تھا کہ مجھے بہا لے گیا؛ اتفاقاً بہتے ہوئے ایک جھکے ہوئے پیڑ کی شاخ پہ ہاتھ پڑ گیا اور میں اُس سے لپک گیا۔ آس پاس کے لوگوں نے پہنچ کر مجھے درخت سے اُتارا اور استاد کے پاس لے گئے۔ فرماتے تھے کہ غازی صاحبؒ نے مجھے دیکھتے ہی سینے سے لگا کر دعا دی کہ جا تجھے اللہ علم کی دولت سے سرفراز کرے۔

علامہ غازی صاحبؒ کا وصال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ آپ کی حیات میں لالہ جی صاحبان اُن سے کسبِ فیض کرتے رہے۔ اُن کے بعد حضرت بابو جیؒ نے اُنھیں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ غلام محمد گھوٹوی کے سپرد کیا۔ بابو جیؒ نے ۱۹۳۸ء میں اجمیر شریف کا سفر کیا۔ غلام محمد گھوٹویؒ اور اُن کے صاحبزادے بھی شریکِ سفر تھے۔ آپ دہلی آئے اور پھر دہلی سے اُنھیں بہاولپور کے لیے رخصت کر دیا۔ مؤلف ''فرموداتِ چند روزہ'' کے مطابق محمد حیات جرنیل اُن کے ہمراہ تھے جبکہ مولانا قطب الدین اور مولانا خدا بخشؒ بعد میں شامل ہوئے۔ آپ کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب اور غلام احمد صاحب بھی شاملِ درس رہے۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں قیام کے دوران حضرت بابو جیؒ کی صاحبزادگان سے مسلسل خط و کتابت رہی۔ اِن خطوط میں بابو جیؒ تمام احباب کو سلام لکھتے رہے۔ جن لوگوں کو خصوصاً نام لے کر سلام لکھا جاتا رہا اُن میں مولوی خدا بخشؒ بھی شامل تھے۔ مولوی صاحبؒ مزاجاً سخت تھے اور یہ سختی کسی خاص گروہ اور طبقے کے ساتھ مخصوص نہ تھی؛ علم، دین داری اور سنتِ رسول ﷺ کے معاملے میں یہ سختی ہر ایک کے لیے یکساں تھی۔ یہاں تک کہ اپنے شیخ سے بھی برملا ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ اصولاً زندگی بسر کرنے والے عموماً ایسا مزاج رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود بابو جیؒ اُن کے خلوص، صداقت، دینی شغف، علمی انہماک اور وفا شعاری کی بدولت اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے کبھی اُنھیں لالہ جی صاحبانؒ سے کسی معاملے میں الگ نہ رکھا۔ یہاں تک کہ لالہ جی صاحبانؒ کا رہنا سہنا، کھانا پینا سب ایک ساتھ تھا۔ بابو جیؒ نے لالہ جی صاحبانؒ کو وصیت کی تھی کہ تم دو بھائی نہیں ہو؛ تین ہو، اور بڑے لالہ جیؒ سے فرمایا تھا کہ خدا بخش تمھارا بھائی ہے، عبدالحق جتنا خیال رکھنا۔ بابو جیؒ کے خطوط میں التزاماً اُن کو یاد رکھنا بھی اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک خط سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بابو جیؒ کمالِ شفقت سے مولوی صاحب کی ناز برداری کر رہے ہیں۔ مورخہ ۴ فروری ۱۹۴۲ء کے خط میں بابو جیؒ نے لکھا:

"میں نے کسی سے سنا ہے کہ مولوی خدا بخش نے امب میں جو روپیہ انھوں نے دیا تھا وہ نوٹ پھاڑ دیا، اس سے دریافت کر کے مجھے لکھو، آیا یہ واقعہ صحیح ہے یا کہ غلط۔ اگر صحیح تو پھاڑنے کی کیا وجہ ہے۔" (فرمودات مسافر چند روزہ؛ ص ۲۳۹)

مولوی صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جامعہ عباسیہ بہاولپور تعلیم کے دوران میں بڑے لالہ جیؒ اور میرے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ میں ناراض ہو گیا اور ناراضی کا اظہار کھانا

پینا ترک کر کے کیا۔ بڑے لالہ جیؒ نے چھوٹے لالہ جیؒ سے کہا کہ یہ روٹھا ہوا ہے اِسے مناؤ اور کھانا کھِلاؤ۔ چھوٹے لالہ جیؒ مجھے ہوٹل پر لے گئے اور بڑے لالہ جیؒ کو بُرا بھلا کہنے لگے اور باتوں باتوں میں مجھے کھانا کھلا دیا۔ اُنھوں نے کھانا کھانے کے بعد مجھے بتایا کہ منانے کی یہ تدبیر بڑے لالہ جیؒ کی بتائی ہوئی تھی۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور جانے سے پہلے مولوی صاحبؒ نے مڈل کا امتحان پاس کرلیا تھا اور شروع ہی میں والدِ مکرم اور ماموں مولوی عبدالغنی خان درسِ نظامی کے ابتدائی دروس لیے تھے۔ گولڑہ شریف منتقل ہونے کے بعد آپ نے ۱۹۳۱ء میں علامہ محمد غازی صاحبؒ سے مشکوٰۃ شریف شروع کی تھی۔ یہ واضح رہے کہ مشکوٰۃ شریف اُس وقت درسِ نظامی کے درجہ فاضل کے دوسرے سال کے نصاب میں شامل تھی۔ گویا مولوی صاحبؒ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں مولوی اور عالم کے درجات کے نصاب کی تحصیل کر چکے تھے اور اگلے درجے فاضل کی تحصیل میں مگن تھے۔ اُس وقت جامعہ عباسیہ بہاولپور کے پراسپیکٹس میں درسِ نظامی کے درجات مؤدب، مولوی، عالم، فاضل، علامہ اور شیخ تھے۔ سرکاری طور پر عالم، فاضل، علامہ اور شیخ کو بالترتیب ایف اے، بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مساوی قرار دیا گیا تھا۔ مولوی صاحبؒ کی فطری ذکاوت اور علمی انہماک کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مولوی اور عالم کے درجے کا مشکل نصاب انھوں نے صرف تین چار برس کی قلیل مدت میں ازبر کرلیا تھا، نہ صرف یہ بلکہ فاضل کے سالِ اوّل کی کتابیں جن میں سیرت ابنِ ہشام، میزان البلاغۃ، الکافی، قطبی، شرح وقایہ، نورالانوار اور جلالین وغیرہ بھی پڑھ لی تھیں۔

گولڑہ شریف میں ابتدائی دس برس (۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۸ء) کے مستقل قیام کے دوران

میں آپؒ نے علم و عرفاں کے جواہر سمیٹے۔ مولوی صاحب نے یہ سارا زمانہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز قطرۂ نیساں کی طرح علم و عرفان کے سیپ (خانقاہِ مہریہ) میں گزارا۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ، بابوجیؒ اور غازی صاحبؒ کی خصوصی توجہ اور محنت آپ کے شاملِ حال رہی۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کے ماموںؒ نے حضرت بابوجیؒ کے انداز کی دستار آپ کے سر پہ باندھی جو مرتے دم تک بابوجیؒ سے محبت کی یادگار کے طور پر آپ کے سر پہ سجتی رہی۔ اسی کا نام محبت ہے اور نسبت بھی یہی ہے کہ کسی کے رنگ میں خود کو رنگ لیا جائے۔

محبت کا تقاضا ، ہے یہی لوگو

"کوئی دستار میں رکھ لے، کوئی زیبِ گلو کر لے"

اسی زمانے میں حضرت بابوجیؒ کی خط و کتابت بھی مولوی صاحب کرتے رہے۔ برادرِ اکبر اللہ بخش بھی مستقلاً گولڑہ شریف میں ہی قیام پذیر تھے۔ مسجد و مدرسے کا انتظام اُن کے سپرد تھا۔ جب مدرسے کی بِنا ڈالی گئی تو مولوی خدا بخش صاحبؒ کو پہلے باضابطہ مدرس کا اعزاز بخشا گیا۔ چشتی صاحب (؟) نے بابوجیؒ سے درخواست کی کہ وہ انھیں پڑھائیں، بابوجیؒ نے بہت زیادہ مصروفیت کی بنا پر اُنھیں مولوی خدا بخشؒ کے سپرد کر دیا۔ گولڑہ شریف مدرسے کا پہلا مدرس مولوی خدا بخشؒ اور پہلا طالب علم چشتی صاحب تھے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے جامعہ عباسیہ بہاولپور سے شیخ الحدیث کے درجے کی تکمیل کے لیے امتحانی مرکز لاہور میں ہوا کرتا تھا۔ اس امتحان میں دنیا بھر کے طلبہ شرکت کرتے تھے۔ غالباً ۴۷ء/۱۹۴۶ء میں امتحان دینے والوں کی تعداد ۹۰ تھی۔ ان میں سے پچاس غیر ملکی طلبہ تھے، جن میں مصر، عراق ، ایران اور شام سے طالب امتحان دینے آئے تھے۔ لالہ جی صاحبانؒ اور مولوی

خدا بخشؒ نے بھی شرکت کی۔ ایک دن پہلے لاہور پہنچے اور دن بھر امتحان کی تیاری میں مصروف رہے۔ مولوی خدا بخشؒ نے صاحبزادگان سے رخصت لی اور عشاء کی نماز حضرت داتا صاحبؒ کی مسجد میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد محبت اور محویت کے ساتھ سبیلیں بھرتے بھرتے رات کے دو بج گئے۔ مولوی صاحبؒ فرماتے تھے کہ سوچا کہ صبح پرچہ دینا ہے اس لیے کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی بیٹھک کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گیا۔ اس نیند کے دوران خواب میں ایک بہت بڑا مٹی کا حجرہ دیکھا۔ حجرے کے ایک کونے میں دروازہ تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے سے جھانکا تو آگے دور سامنے حضرت داتا صاحبؒ تشریف فرما ہیں۔ اُن کے دونوں جانب دو، دو بزرگ تشریف فرما ہیں۔ ایک طرف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ اور دوسری جانب واللہ اعلم۔ میرے جھانکنے سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے میری طرف دیکھا اور مجھے اشارے سے اندر بلایا۔ میں ڈرتا جھجھکتا ہوا اُن کے پاس گیا۔ اُنھوں نے مجھے کندھے سے پکڑا اور سیدھا داتا صاحبؒ کے سامنے لے گئے اور فرمایا ''اس بچے کے لیے دعا کریں، اِسے علم حاصل کرنے کا شوق ہے'' داتا صاحبؒ نے ہاتھ اُٹھائے، سب بزرگوں نے ہاتھ اُٹھا لیے اور میرے لیے دعا کی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے کتابوں کا بنڈل اُٹھایا اور اُسے میرے کندھوں پر رکھ کر فرمایا: ''خدا بخش خود بھی پڑھو اور معین الدین اور عبدالحق کو بھی دو کہ پڑھیں۔'' فجر کا وقت تھا، مولوی صاحب نے اُٹھ کر نماز ادا کی اور امتحان دینے چلے گئے۔ اللہ کے فضل وکرم سے مولوی صاحبؒ اُس امتحان میں اوّل آئے اور دوسری پوزیشن بڑے لالہ جیؒ نے حاصل کی۔

قیامِ پاکستان سے پہلے ایک مرتبہ آپ ریل میں سفر کر رہے تھے کہ کسی نے ایک انگریز

پر حملہ کر کے اُسے زخمی کر دیا اور ریل میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس دوران میں آپ چلتی ہوئی ریل سے اتر رہے تھے کہ گر کر زخمی ہو گئے۔ شبے میں پولیس آپ کو پکڑ کر لے گئی۔ تھانیدار نے تضحیک آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو ہاتھ اوپر کروا کے کھڑا کر دیا اور داڑھی کی توہین کی۔ آپ نے وہیں کھڑے کھڑے ایسی مدلل گفتگو فرمائی کہ تھانیدار نادم ہوا، اور آپ کے علم و فضل سے بہت متاثر ہو کر آپ سے معافی مانگ لی۔ ساتھ ایک سو روپے اور کپڑوں کا تحفہ بھی دیا۔

جب مولوی صاحب تعلیم سے فارغ ہو گئے تو حضرت بابو جیؒ نے آپ کے لئے مکان تعمیر کروایا اور ۴۸۔۱۹۴۷ء میں مٹھیال گاؤں میں آپ کا نکاح پڑھایا۔ بابو جیؒ اپنے مریدین کے ساتھ ایک ٹرک لائے جس میں لالٹینیں اور مٹی کا تیل تھا۔ رات کو چراغاں کیا گیا اور رات بھر محفلِ سماع ہوتی رہی۔ اگلے روز ولیمہ دیا۔ بابو جیؒ نے مولوی صاحب کو پیار سے حلوے کے گولے بنا کر مارے۔

مولوی خدا بخشؒ نے عملاً تحریک ختمِ نبوت میں حصہ لیا اور اِس عظیم مقصد کے لئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ آپؒ کے بھتیجے محمد بخش صاحب نے بتایا کہ ۱۹۵۳ء میں مولوی صاحب اور دیگر علما کے ساتھ وہ بھی راولپنڈی جیل میں اڑھائی ماہ قید رہے۔ اِن علما میں مولانا عبدالغفور چشتی، مولانا غلام مُلّا خان، مولانا حسین احمد اور مولانا ہزاروی وغیرہ شامل تھے۔ یہ تمام مختلف المسالک علما اُس وقت باہم شیر و شکر تھے اور فتنہ قادیانیت کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنے ہوئے تھے۔ اس عرصے کے دوران میں مولوی صاحبؒ نے نمازِ جمعہ بھی پڑھائی اور نمازِ تراویح بھی پڑھاتے رہے۔

پچاس ساٹھ کی دہائی میں مولوی صاحبؒ گولڑہ شریف مدرسہ میں مدرس رہے اور

امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ آپ بہت اصول پسند تھے اور لنگر خانے کے انتظامی امور کی خُرد بُرد کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اسی بات پر منتظم سے جھگڑا ہوگیا۔ آپ ناراض ہوکر گولڑہ شریف سے اٹک آگئے۔ گولڑہ شریف سے رخصت ہوتے وقت بڑے لالہ جیؒ نے فرمایا:

او وفا نا آشنا! کیسے کہوں تجھ کو بے وفا

کہتے ہیں لوگ تجھ کو بے وفا اور شرماتا ہوں میں

مولوی صاحبؒ کو بچپن سے مطالعے کا شوق تھا جو بتدریج بڑھتا چلا گیا۔ کتابوں سے اُنھیں عشق تھا جو سفر و حضر میں اُن کی رفیق رہتی تھیں۔ وہ جب بھی اور جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے کوئی نہ کوئی کتاب اُن کی ہم سفر ہوتی۔ حدیث اور تفسیر اُن کے خاص موضوعات تھے جن پر وہ تفحص کرتے تھے۔ ان موضوعات پر قیمتی اور نایاب عربی و فارسی کتابوں کا ذخیرہ ان کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھا جو انھوں نے مختلف علمی اسفار کے دوران مختلف ممالک سے جمع کی تھیں۔ اُن میں سے کچھ اہم کتابیں اب بھی ان کے کتب خانے میں موجود ہیں؛ بیشتر اُن کے بہی خواہ اُڑا لے گئے جن کا انھیں اپنے آخری ایام میں بہت قلق تھا اور وہ اکثر ان کا تذکرہ کرتے کرتے آبدیدہ ہوجایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کے کتب خانے میں نایاب قلمی نسخے بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ نذر صابریؒ کی قائم کردہ ''مجلس نوادراتِ علمیہ اٹک'' کی پہلی نمائش میں مولوی صاحبؒ نے چند نایاب قلمی نسخے علمی نمائش کے لئے پیش کئے تھے۔ ان میں ایک قلمی نسخہ ''الحسین'' کا تھا جو سات سو سالہ قدیم نسخہ تھا۔ یہ نسخہ اُن کے کتب خانے سے چوری ہوا، اور عقیدت مندوں کے ہاتھوں ہوتا ہوا پیر نصیر الدین نصیر گولڑویؒ تک پہنچا۔ پیر صاحب نے مولوی صاحبؒ کو نسخہ ملنے کی اطلاع دی۔ پیر صاحبؒ مولوی صاحبؒ کو عمِ محترم کہا کرتے تھے؛ تبادلۂ کتب

دونوں کے درمیان رہتا تھا۔طلب اور تقاضا اس تبادلے میں رہتا۔ایک مرتبہ پیر صاحبؒ نے کوئی کتاب مستعار لی۔ مسلسل تقاضے کے بعد کتاب کے آغاز سے پہلے سادہ صفحے پر نوٹ لکھ کر واپس کی۔مولوی صاحب کا فرمانا تھا کہ پیر صاحبؒ نے مجھ سے تقطیر الانام لی مگر واپس نہ کی۔

حضرت بابو جیؒ کے علمی و روحانی اسفار میں مولوی صاحبؒ کو بھی شرکت کی سعادت حاصل تھی۔بابو جیؒ کے یہ سفر مختلف ممالک کو محیط ہوتے تھے جن میں ان کے ساتھ اُن کے قریبی عقیدت منداور مریدین شامل ہوتے تھے۔ایک سفر کے دوران میں لالہ جی صاحبان اور مولوی خدا بخشؒ بھی شریکِ سفر تھے۔قیامِ بغداد کے دوران میں بابو جیؒ نے صاحبزادگان اور طلبہ میں پیسے تقسیم کیے تا کہ وہ اپنی اپنی پسند کی چیزیں خرید لیں۔مولوی صاحبؒ کو پانچ سو روپے دیے۔ جب سب اپنی اپنی چیزیں خرید کر واپس آئے تو بابو جیؒ نے سب سے چیزیں دکھانے کو کہا۔جب مولوی صاحبؒ کی باری آئی تو انھوں نے وہ کتابیں پیش کر دیں جو اُنھوں نے پسند کیں تھیں۔بابو جیؒ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا، کہ مجھے پتہ تھا کہ تم کتابیں ہی خریدو گے۔دوبارہ جیب میں سے پیسے نکال کر دیے اور تاکید کی کہ کچھ اور خرید لاؤ۔مگر مولوی صاحبؒ دوبارہ بھی کتابیں ہی خرید لائے۔

مولوی صاحبؒ فریضۂ حج ادا کر کے جس دن گھر پہنچے اُسی رات گھر میں چور آ گئے۔ غالباً چوروں نے مولوی صاحب کے سامان سے بھرا کاٹن دیکھ لیا تھا جو وہ ساتھ لائے تھے۔انھوں نے سوچا ہوگا کہ سامان کی تقسیم سے پہلے ہی ہاتھ صاف کر لینا چاہیے۔مگر انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ متاعِ فقیر کتابوں کے سوا کچھ نہ تھی۔چوروں نے سامان ٹٹولا مگر کتابوں کے سوا کچھ نہ نکلا۔

مولوی صاحبؒ کے مطالعے کے اوقات مقرر نہ تھے اور نہ ہی مقام۔عبادات اور

مطالعہ اُن کے معمولاتِ زندگی کا محور تھے، شب و روز کی گردش ہو یا سفر کی صعوبتیں اُن کے اِن معمولات میں کسی طرح حارج نہیں ہوتی تھی۔ عام طور پر عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد ہی میں مطالعے میں مشغول ہوتے تھے اور ساری ساری رات محویت کے عالم میں گزار دیتے تھے یہاں تک کہ فجر کی اذان سُن کر اذان اور نماز کی تیاری کرتے تھے۔ آپ مسجد میں سونا مکروہ سمجھتے تھے نہ خود سوتے تھے اور نہ ہی کسی کو سونے کی اجازت دیتے تھے۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ (بھیرہ شریف) جب شریعت کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے تو انھیں مصروفیت کے باعث اپنے مدرسے کے لئے مدرس کی فکر لاحق ہوئی۔ اُن کی نظرِ انتخاب مولوی خدا بخشؒ پر پڑی۔ آپ نے اپنا مدعا بڑے لالہ جیؒ (والدِ مکرم پیر نصیر الدین نصیرؔ) سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ "خدا بخش اگر بھیرہ میں میرا قائم مقام مدرس کا عہدہ سنبھال لیں تو میری فکر کم ہو جائے گی" لالہ جیؒ (جو کہ مولوی صاحب کے خوب مزاج آشنا تھے) نے فرمایا کہ آپ خود جائیں۔ اگر میں نے کہا اور خدا بخش نے انکار کر دیا تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔ پیر صاحبؒ خود مہریہ مسجد تشریف لائے اور مولوی صاحبؒ سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس خدمت کے صلے میں دو مربعوں کی آمدن، ایک ملازم، ایک بھینس اور آنے جانے کی سہولیات کی پیشکش ہوئی۔ مگر مولوی صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "دن قیامت کے یہ بے یار و مددگار مسجد جس میں، میں بغیر اجرت کے خدمت پر مامور ہوں، میرا گریبان پکڑے گی تو کیا آپ مجھے چھڑوا لیں گے؟ پیر صاحبؒ نے فرمایا میں یہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔

ایک مرتبہ پیر نصیر الدین نصیرؔ چند علما اور مریدین کے ساتھ اپنی بیٹھک میں تشریف فرما تھے اور علمی گفتگو جاری تھی۔ پیر صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیثِ مبارکہ میں نبی پاکؐ نے سجدے کے

دوران پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے؛ میری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ اس حکم کی کیا حکمت ہے؟ محفل میں سب لوگ خاموش رہے۔ پیر صاحبؒ نے خود ہی فرمایا کہ اس کا جواب عمِ محترم (خدا بخش) ہی دے سکتے ہیں۔ مولوی خدا بخشؒ حجرے میں ہی نوافل کی ادائیگی میں مشغول تھے۔ پیر صاحبؒ اور علماء ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پیر صاحبؒ نے ازراہِ تفنن فرمایا کہ میرے چچا محترم نے سو نماز نفل کی نیت کی ہوئی ہے۔ جب مولوی صاحبؒ نے سلام پھیرا تو پیر صاحب نے سوال دوہرایا۔ مولوی صاحب نے بڑی سختی سے فرمایا کہ "علم حاصل کرنے کے لئے سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کرنا پڑتا ہے، اور نیندوں کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں؛ لمبی گاڑیوں اور ٹھنڈی جگہوں پر بیٹھنے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ پھر اُس حکم کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ مقامِ سجدہ سے مٹی ہٹانے کے لئے پھونک ماری گئی جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے جو طبعی لحاظ سے بھی نقصان دہ ہے۔ مولوی صاحبؒ نمود و نمائش سے متنفر تھے اور ریکارڈنگ کے سخت خلاف تھے۔ ڈاکٹر طاہر مسعود قاضی صاحب کا بیان ہے کہ پیر صاحبؒ نے انھیں مولوی صاحبؒ کی علمی گفتگو ریکارڈ کرنے کو کہا تھا۔

مولوی صاحبؒ نے ۷۴-۱۹۷۳ء میں فریضۂ حج ادا کرنے حجازِ مقدس گئے۔ دورانِ حج آپؒ نے مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرنا چاہے تو وہاں سیکورٹی اہلکار نے آپ کو ممانعت کا نوٹس دکھاتے ہوئے کہا کہ یہاں نوافل کی ادائیگی منع ہے، کیا تم پڑھ نہیں سکتے؟ مولانا جلال میں آگئے اور ممانعت کی وجہ دریافت کی۔ معاملہ الجھ کر گورنر کعبہ کے پاس پہنچ گیا۔ گورنر اور اُن کے ساتھی علماء مصر تھے کہ اس مقام پر نوافل کی اجازت نہیں ہے جب کہ مولوی صاحبؒ اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ مناظرے کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ مولوی صاحبؒ نے اپنے حق میں کسی فقہی کتاب کا حوالہ دیا

جواُن کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھی۔ کتاب کا ماٰخذ دریافت کیا گیا تو مولوی صاحبؒ نے اپنے ذاتی نسخے کے علاوہ جامعہ ازہر کے کتب خانے میں نشان دہی کی۔ جب کتاب منگوائی گئی تو مولانا کا استدلال درست ثابت ہوا۔ گورنر آپؒ کے استدلال سے بہت متاثر ہوئے اور آپؒ کو شاہی مہمان بننے کی دعوت دی۔ مولوی صاحبؒ نے فرمایا کہ شاہ کا مہمان بننے سے بہتر ہے کہ میں خدا کا مہمان رہوں۔ حج کے دوران میں ہی حجاج کرام کو نماز کی ادائیگی کے معاملے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ مولوی صاحب وہاں موجود تھے،آپ نے فقہی درک سے مسئلے کا حل پیش کر دیا۔ امامِ کعبہ نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور آپ کا نام مکمل پتے کے ساتھ آویزاں کروا دیا۔ نصیر صاحب کا بیان ہے کہ جب مولوی صاحب حج سے واپس آگئے تو بہت سے خطوط موصول ہوئے جن میں فقہی مسائل کی بابت دریافت کیا گیا تھا۔ جوابات کے لئے مولوی صاحب نے نصیر صاحب سے بیرون ملک ڈاک لفافے منگوائے تھے۔

مولوی صاحبؒ حقیقی معنوں میں درویش تھے۔ دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی ان کا شیوہ تھا۔ بچپن سے علم کی طلب اُن میں تھی۔ آپ کے دادا مولوی محمد شاہ نوازؒ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے ہم جماعت اور پیر بھائی تھے۔ نسبتِ مہریہ کے اثرات آپ کے خاندان پر بہت زیادہ تھے۔ حضورِ اعلیٰ کے روحانی فیوض آپ کے خاندان پر تھے۔ والد اور ماموں کی ابتدائی تربیت کے اثر سے طبیعت میں گداز تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اُنھوں نے عملاً گھر بار چھوڑ کر حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کی صحبت اختیار کی۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ فقر و استغناء میں ایک طرف دنیا سے بالکل بے تعلق تھے تو دوسری طرف منطق و استدلال میں بے مثال تھے۔ آپ ہر دو اعتبارات سے ہمیشہ نام و نمود سے کوسوں دور رہتے تھے۔ آپ کا طریقہ اظہار کے بجائے اخفا تھا، گوشہ نشینی و

استغراق......مولوی صاحبؒ نے ابتدائی تربیت کے دس سال آپ کے زیرِ سایہ بسر کئے تھے۔آپ نے اپنے مرشد کے انھی اوصاف کو اپنایا اور زندگی گزارنے کا دستور بنالیا اور آخری دم تک اسی پر قائم رہے۔

حضورِ اعلیٰ اور حضرت بابوجیؒ کی محبت نے آپ کو عشقِ رسولؐ کے قرینوں سے آشنا کیا۔ آپ عشقِ رسولؐ میں ایسے سرمست ہوئے کہ سنت ہی آپ کا معیارِ خوب وزشت بن گیا اور اسی پر آپ سختی سے عمل پیرا رہے۔ جو سنت پر عمل پیرا ہوتا وہ مولوی صاحب کا محبوب اور جو اِس سے سرِمو انحراف کرتا وہ مولوی صاحب کا معتوب ہوتا۔ظاہری وضع قطع میں، آداب واطوار میں اور اخلاق و کردار میں جو لوگ اس معیار پر پورے نہ اترتے تھے وہ یا تو مولوی صاحب کے سامنے نہ آتے اور اگر بھولے سے آجاتے تو اُن کے جلال سے محفوظ نہ رہتے تھے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپؒ کے سامنے خلافِ سنت کوئی عمل ہوا ہو اور آپ مصلحتاً خاموش رہے ہوں۔ مصلحت آپ کے مزاج کا حصہ نہ تھی۔سنتوں کے معاملے میں بہت متشدد تھے۔خلافِ سنت امور کو آپ ہاتھ اور زبان دونوں سے روکتے تھے۔ دنیاوی طمع آپ میں نہیں تھی، جماعت بندی اور نام ونمود سے آپ کو نفرت تھی۔عموماً یہی چیزیں مصلحت اندیشی، خوشامدی لہجے اور صلح کل رویے کو پروان چڑھاتی ہیں۔ چونکہ مولوی صاحب ان سے بے تعلق تھے اس لئے وہ نہ تو مصلحت اندیش تھے، نہ لہجے میں لجاجت تھی اور نہ ہی وہ صلح کل رویہ رکھتے تھے۔حق و باطل میں بالکل واضح اور دوٹوک رویہ رکھتے تھے۔درمیانی راستہ اختیار کرنا ان کی طبیعت میں نہ تھا۔اِسی وجہ سے اُن کا لہجہ بہت سے لوگوں کو تلخ لگتا تھا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھی اپنی دینداری کے سوا کسی سے سروکار نہ تھا۔آپؒ خود تو عشقِ رسول کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے ہی آپؒ کو دوسروں کے لئے بھی اسی نعمتِ عظمیٰ کی

فکر رہتی تھی۔ سب سے زیادہ فکر احباب اور پاس پڑوس کی ہوتی تھی۔ اہلِ محلہ کے دروازوں پر دستک دے کر نماز کے لئے بلاتے تھے اور تاخیر کرنے والوں کو سخت سست سناتے بھی تھے۔ مسجد کے آداب اور نماز کے آداب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ننگے سر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی بھولے سے ایسے آ جاتا تو بھری مسجد میں شرمندہ کرتے۔ مسجد میں جماعت کے اوقات نسبتاً تاخیری ہوتے تھے، اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ جماعت کی برکت حاصل کر سکیں۔ دین کے معاملے میں مولوی صاحبؒ بہت سخت تھے۔ دنیاداری سے اُن کا تعلق برائے نام تھا گویا اقبالؒ کے اس شعر کی تصویر تھے:

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہرِ ملکوتی

خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

مولوی صاحبؒ ایم سی بوائز مڈل سکول اٹک میں عربی فارسی کے مدرس بھی رہے۔ اقبال شاہ صاحب مالک کتب خانہ مقبولِ عام، آپ کے شاگرد ہیں۔ شاہ صاحب کا فرمانا ہے کہ مولوی صاحب انھیں عربی پڑھایا کرتے تھے۔ عربی زبان کا احترام اُن کے دل میں اتنا تھا کہ وہ عربی کو کرسی پر بیٹھ کر پڑھانا خلافِ ادب سمجھتے تھے۔ کرسی کو زمین پر گرا کر اُس کی پشت پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

مولوی صاحب کی ایک نہایت ممتاز خوبی بے باکی تھی۔ خدا خوفی سے ماسوا کی جو بے خوفی پیدا ہوتی ہے وہ مولوی صاحب میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ جنرل الیکشن ۱۹۶۴ء کی مہم کے سلسلے میں صدر ایوب نے کرشنا گراونڈ (لالہ زار) اٹک میں عوام سے خطاب کرنا تھا۔ ملک گیر دوروں کی وجہ سے صدر صاحب انتہائی مصروف تھے اور مختلف شہروں میں نہایت کم وقت میں انتخابی مہم چلا

رہے تھے۔سہروردی صاحب بلدیہ اٹک کے چیئرمین تھے۔انھیں وقت کی قید کے ساتھ پروگرام کی تنظیم کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔چیئرمین صاحب نے تلاوت کی ذمہ داری مولوی صاحب کو دی اور ہدایات یہ دیں کہ صدر صاحب کے پاس وقت بہت کم ہے اس لئے آپ تین منٹ میں چند آیات کی تلاوت اور ترجمہ کریں گے۔بہت بڑا جلسہ تھا جس میں دور دور سے لوگ آئے ہوئے تھے اور پوری ضلعی انتظامیہ بھی موجود تھی۔جلسے کے آغاز میں مولوی صاحبؒ تلاوت کرنے کے لئے صدر صاحب کے قریب سے سلام کرتے ہوئے گزرے،صدر صاحب نے محض سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔مولوی صاحبؒ نے آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں اور اُس کے بعد ترجمہ اور ضروری مقامات کی وضاحت شروع کردی۔منتظمین اس طرزِعمل سے نہایت خوف زدہ ہوئے چونکہ انھیں پروگرام کی جو ترتیب دی گئی تھی،اُس کے مطابق یہ وضاحت پروگرام میں شامل نہیں تھی۔آپ نے قریباً پندرہ منٹ گفتگو فرمائی اور آخر میں کہا ''میں نے صدر صاحب کا نہایت قیمتی وقت دین کے لئے استعمال کیا ہے۔نہایت افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے لئے چوبیس گھنٹے اور دین کے لئے صرف تین منٹ''اس دوران میں انتظامیہ کے افسران اسے بے ادبی خیال کرتے ہوئے آپ کو گھور رہے تھے۔جب آپ اپنی گفتگو ختم کر کے نیچے اترے تو صدر صاحب نے کھڑے ہو کر آپ کو سینے سے لگایا اور تین قدم آپ کے ساتھ چلے۔اگلے روز چیئرمین صاحب نے مولوی صاحب کو بلوایا اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ صدر صاحب بہت خوش گئے ہیں۔دورانِ محفل ان کی نظریں آپ کو تلاش کرتی رہیں۔

بدقسمتی سے اب ہمارے ہاں مولوی عموماً سادہ لوح اور صلح کل قسم کے ہیں۔اراکین ایمان کی ادائیگی کے معاملے میں بھی واجبی معلومات سے کام چلاتے ہیں اور خلافِ سنت عمل سے

بھی صرفِ نظر کرنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ مولوی صاحب فقہ، حدیث اور تفسیر کے بے مثال عالم تھے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اصول پر قائم رہتے تھے اور ان معاملات میں ذرا سی کجی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور اس پر نہایت غم وغصے کا اظہار کرتے تھے۔ بہت سے مقامی سرداروں کی نمازِ جنازہ اُن کی وصیتوں کے مطابق آپ نے پڑھائی۔ جنازہ پڑھانے سے پہلے خود صفوں کا جائزہ لیتے اور بعض اوقات نمازِ جنازہ میں شریک لواحقین سے نمازِ جنازہ سنتے بھی تھے؛ اس لئے اکثر لوگ پچھلی صفوں کو ترجیح دیتے تھے۔ سردار جاوید کی نمازِ جنازہ آپ نے اُن کی وصیت کے مطابق پڑھائی۔ ان کے جنازے میں سردار شوکت حیات خان (MNA)، جنرل ٹکا خان (چیف آف آرمی سٹاف) اور بریگیڈیئر افضل خان بھی شامل تھے۔ تدفین کے مراحل کے دوران میں یہ اصحاب گفتگو فرما رہے تھے کہ کسی بات پر ہنس پڑے۔ مولوی صاحب نے بہت سخت لہجے میں اُن کی سرزنش کی۔

ایک مرتبہ مولوی صاحب بازار میں تھے کہ انگور کھانے کو جی چاہا۔ انگور تلاش کیا مگر نہ ملا اور اس تلاش کی وجہ سے نماز کے لئے تاخیر سے پہنچے۔ نماز ادا کرنے کے بعد انگور لانے کے لئے نکلے مگر راستے میں خیال آیا کہ نفس کی خواہش کے لئے نماز میں تاخیر کردی اور اب پھر نفس کو خوش کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا ہوں۔ آپؒ نے خود کو ملامت کیا اور اس واقعے کے بعد ہمیشہ کے لیے انگور کھانا ترک کر دیا۔

روزہ مولوی صاحب کی معمول کی عبادات میں سے تھا۔ آپ ہر ماہ چھے چھے متواتر روزے اہتمام سے رکھتے تھے۔ افطاری اور سحری کا معمول بھی انوکھا تھا۔ افطاری نمک سے کرتے تھے اور اس کے بعد سالن، روٹی اور چائے سب کچھ ملا کر آدھا افطار اور آدھا سحری کے وقت چیچ

سے کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ ضعیفی کی عمر میں، جون کے مہینے میں آپ اسی معمول کے مطابق گولڑہ شریف سے روزہ رکھ کر چار بجے اٹک پہنچے۔ کسی شخص نے کھانے کو کہا؛ آپ نے روزے کا بتایا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اتنی گرمی اور کمزوری میں نفلی روزہ نہ رکھا جائے تو کیا حرج ہے۔ مولوی صاحبؒ فرمانے لگے ''روزہ جسمانی قوت سے نہیں ایمانی قوت سے رکھا جاتا ہے۔''

ایک مرتبہ ایک سائل نے شرارتاً مولوی صاحبؒ سے پوچھا کہ جامعہ مسجد، مدینہ مسجد اور اشاعت الاسلام میں نماز ہو جاتی ہے۔ مولوی صاحب نے سنی اَن سنی کر دی۔ اس نے دوبارہ پوچھا آپ نے وہی طرزِ عمل دہرایا۔ تیسری مرتبہ وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ''اگر نماز خدا اور اس کے رسول کی ہے تو ہو جاتی ہے اور اگر تمھارے باپ کی ہے تو نہیں ہوتی۔''

۱۹۸۹،۹۰ء میں مولوی صاحب کی چھوٹی صاحبزادی گم ہو گئیں۔ نصیر صاحب نے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ ملیں۔ بالآخر تلاش کرتے کرتے نصیر صاحب گولڑہ شریف چلے گئے، اور حضورِ اعلیٰ کے پائنتی کھڑے ہو کر التجا کرنے لگے۔ التجا کے دوران ہی ان کے ایک رشتہ دار مولوی عبدالرزاق وہاں پہنچے اور آپ کو جھڑکا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ساتھ چلنے کو کہا اور آپ کو پیر نصیر الدین نصیرؒ کی والدہ کے پاس لے گئے۔ ہمشیرہ وہاں موجود تھیں۔ پیر صاحب کی والدہ نے ایک بکسہ دیا جس میں دس کپڑوں کے جوڑے اور پانچ ہزار روپے رکھے تھے۔ ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ ''غلام صغریٰ (والدہ) سے کہنا کہ تم ہمیں بھول گئی ہو، ہم تمھیں نہیں بھولے۔''

مولوی صاحبؒ فقر و استغنا کی عملی تصویر تھے۔ دنیاوی ساز و سامان کی انھیں قطعاً ضرورت نہ تھی۔ انتہائی سادہ لباس زیبِ تن فرماتے تھے اور انتہائی کم کھاتے تھے۔ ضرورت سے زیادہ کبھی جمع نہ کرتے تھے۔ نصیر صاحب کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ وہ گولڑہ شریف گئے تو لنگر خانے

سے انھیں دیسی گھی کا ڈبہ دیا گیا اور ساتھ یہ ہدایت بھی کی گئی کہ "مولوی صاحب نوں نہیں دسنا، نہیں تے اوہ ایتھے ہی ونڈ دین گے۔"

دریا شریف والے پیر عبدالحق صاحب کے بڑے بھائی مولوی صاحبؒ کے ہم جماعت تھے۔ آپ کے والدِ گرامی باباجیؒ بھی مولوی صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب پیر عبدالحق صاحبؒ کے بڑے بھائی کا وصال ہوا تو باباجیؒ مولوی صاحب کو بڑا بیٹا قرار دیتے تھے۔ نصیر صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ والدِ گرامی کے ساتھ باباجیؒ کے حضور گئے تو باباجیؒ بہت محبت کے ساتھ پیش آئے اور پانچ روپے کا نوٹ بھی عطا کیا۔ باباجیؒ مولوی صاحبؒ کو کمرے تک چھوڑنے جاتے تھے۔ آپؒ سے جو لوگ ملنے آتے تھے آپؒ انھیں منع کر کے فرماتے کہ محمد خدا بخشؒ کو ملو۔ باباجیؒ کے مرید حاجی الیاس صاحب پر اپنے مرشد کی تعظیم کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ جب بھی مولوی محمد خدا بخشؒ کو بازار میں دیکھ لیتے تو احتراماً جوتے اتار کر آپؒ کو ملنے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ جب مولوی صاحبؒ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو عین وصال کے وقت آپ کے شاگرد صوفی غلام محمد جھنگوی گولڑہ شریف سے تشریف لے آئے۔ نصیر صاحب کا کہنا ہے کہ میں ابھی اطلاع دینا ہی چاہتا تھا کہ صوفی صاحب فرمانے لگے "مینوں پتہ اے" آپ کے وصال کے بعد دعا کے لئے ایک جسٹس صاحب دعا کے لئے تشریف لائے۔ دعا کے بعد فرمانے لگے، اس وقت پاکستان میں تین عالمِ باعمل تھے۔ ایک پشاور میں وفات پا گئے ہیں، ایک مولوی صاحبؒ تھے اور ایک کراچی میں حیات ہیں۔ اس کے بعد عالمِ باعمل کی وضاحت فرما کر کہنے لگے کہ عالمِ باعمل وہ ہوتا ہے جو سختی سے سنت پر عمل کرنے اور کرانے والا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

[حضرت علامہ حافظ قاضی عبدالغفور لنگڑیالویؒ]

علامہ حافظ محمد اسلم

اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ فانی میں کچھ ایسے نفوسِ قدسیہ کو مبعوث فرمایا کہ جنھوں نے تمام زندگی خدمتِ دین ہی میں وقف کر دی۔ ایسے حضرات اگر جسم ظاہری کی صورت میں موجود نہ بھی ہوں تو وہ اپنے باطنی امور کی بدولت زندہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ میں سے ایک شخصیت جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف وخوبیاں عطا فرمائیں۔

عمدۃ المدرسین استاذ الحفاظ والعلما حضرت علامہ حافظ قاضی عبدالغفور لنگڑیالوی کی بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ نے تمام زندگی خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے آستانہ پاک میں قرآن اور صاحبِ قرآن کی خدمت ومحبت میں صرف فرمادی۔ آپ فقط ایک محنتی استاد کے نام سے ہی معروف نہیں بلکہ عملی میدان میں بھی محبوبانِ خدا میں سے تھے۔ آپ کی تمام زندگی زہدوتقویٰ سے عبارت ہے۔

ولادت:۔ الحفاظ حافظ محمد عبدالغفور صاحب کی ولادت باسعادت ۱۹۴۲ءمطابق ۱۳۶۱ھ میں حافظ قاضی غلام یٰسین بن حافظ نور حسین بن قاضی محمد امام الدین بن قاضی محمد ابراھیم بن محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کے ہاں لنگڑیال شریف میں ہوئی۔

خاندانی تعارف پر ایک نظر: یوں تو قبلہ حافظ محمد عبدالغفور صاحب کا تمام خاندان علم وعمل، زہدوتقویٰ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ نیز آپ کا تمام خاندان سلسلہ بیعت وارادت میں تونسہ مقدسہ اور مکھڈ شریف جیسے روحانی مراکز سے فیض یافتہ بھی ہے۔ حتیٰ کہ لنگڑیال کی دو معروف شخصیات میاں حافظ محمد ابراھیم اور میاں حافظ محمد شمس الدین ہر دونوں بھائی حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کے صرف

☆ مدرس درس نظامی، خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف [اٹک]

قابل فخر شاگرد ہی نہیں بلکہ مولانا کے خاص مقربین وخادمین میں سے شمار ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بات بھی حافظ عبدالغفور صاحب اور آپ کے خاندان کے لیے قابلِ فخر ہے کہ حضرت مولانا شمس الدین اخلاصی جو حضرت مولانا غلام محی الدینؒ مکھڈی کے مرید خاص ہیں۔ قبلہ حافظ صاحب کے سگے نانا جی تھے۔ معلوم ہوا کہ لنگڑیال شریف اور مکھڈ شریف کے مابین روحانی تعلق کئی صدیوں سے قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کی اولادوں میں بھی یہ سلسلہ قائم ودائم فرمائے۔ بالجملہ اللہ تعالیٰ نے قاضی حافظ غلام یٰسین کو پانچ بیٹے عطا فرمائے۔ ۱۔ میاں عبداللہ نظامی ۔۲۔ قاضی محمد خورشید۔ ۳۔ حافظ محمد عبدالغفور۔ ۴۔ محمد نظام الدین۔ ۵۔ میاں عبدالرحمٰن

استاد عبدالغفور صاحب کے والد بزرگوار قاضی غلام یٰسین صاحب حافظِ قرآن کے ساتھ عالمِ دین بھی تھے۔ آپ تمام زندگی لنگڑیال شریف کی جامع مسجد میں فرائض امامت بھی انجام دیتے رہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وحکمت اور نبض شناسی کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ تاہم آپ بلا اجرت علم وحکمت کے ذریعے بھی خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

آپ کو حضرت مولانا شاہ محمد علیؒ مکھڈی کے درِ اقدس سے بڑی محبت وعقیدت تھی۔ حتیٰ کہ آپ ہر عرس شریف میں باقاعدگی کے ساتھ حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن آپ نمازِ ظہر کی امامت فرمانے کے بعد مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو مسجد کے برآمدے کی چھت گرنے کی وجہ سے آپ کا پاؤں مجروح ہوگیا۔ آپ اس بیماری کے عالم میں بھی فرماتے کہ اے اللہ اس بیماری سے عافیت عطا فرما تاکہ مکھڈ شریف عرس سے غیر حاضری نہ ہو۔

میاں عبداللہ نظامی:۔ میاں عبداللہ نظامی صاحب کی ولادت ۱۹۳۴ء میں قاضی غلام یٰسین صاحب کے ہاں لنگڑیال شریف میں ہی ہوئی۔ آپ سب بھائیوں میں سے بڑے تھے اور آپ کی بیعت خواجہ نظام پاک تونسویؒ سے تھی۔ آپ خواجہ نظام علیہ الرحمہ کے خادمین خاص میں سے تھے۔ ایک مرتبہ میاں صاحب بسلسلۂ ملازمت کراچی تشریف لے گئے۔ کچھ ایام کے بعد آپ کی طرف دفتر سے نوٹس جاری کیا گیا کہ صبح ۸ بجے آپ نے ڈیوٹی کے لیے دفتر میں حاضر ہونا ہے۔ اور اسی رات

اتفاق سے خواجہ نظامؒ کا مکتوب بھی موصول ہوا۔ جس میں کراچی آمد کی خبر تحریر تھی تو میاں صاحب نے اپنے شیخ کی زیارت کے لیے دفتری ملازمت کو ٹھکرادیا۔ جب آپ اپنے شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب میاں عبداللہ صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے حجازِ مقدس جانے کا ارادہ فرمایا تو میاں صاحب کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔ عمرہ شریف اور شہرِ رسول مع دیگر مقدس مقامات کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ واپسی پر دوبارہ کراچی ہی میں آپ کو اپنے شیخ کی برکت سے ملازمت بھی مل گئی۔ بہرصورت آپ پندرہ سال تک ملازمت کرتے رہے۔ آخرکار کسی بیماری میں مبتلا ہوئے اور اسی بیماری سے آپ کا وصال ہو گیا۔ تاریخ وصال ۱۴ ذیقعدہ مطابق ۱۹۷۲ء، مدفن لنگڑیال۔

نوٹ:۔ میاں عبداللہ صاحب کی طرف خواجہ نظام تونسوی کے خطوط آج بھی لنگڑیال شریف میں حافظ محمد یعقوب صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

قاضی محمد خورشید:۔ آپ قاضی غلام یٰسین صاحب کے ہاں ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حفظِ قرآن کی تعلیم حافظ سلطان احمد سے حاصل کی اور قبلہ قاضی صاحب محض حافظِ قرآن ہی نہیں بلکہ آپ ایک مستند عالمِ دین بھی تھے۔ قاضی صاحب نے ساری زندگی خدمتِ قرآن کے سلسلے میں صَرف فرمادی۔ بیس سال کی عمر سے تقریباً ساٹھ سال تک اپنے گاؤں کی مسجد میں بغیر کسی معاوضے کے امامت اور حفظِ قرآن کی تعلیم سے بہت سی مخلوق خدا کے قلوب واذہان کو منور فرمایا۔ آج بھی لنگڑیال کے پچاس، ساٹھ سالہ عمر کے لوگ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ حافظ عبد الغفور صاحب کے تمام صاحبزادگان بھی آپ ہی کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔ تاہم جو کام قاضی صاحب نے ایک دور افتادہ گاؤں میں دینی لحاظ سے سرانجام دیا، وہ آج کے ماحول میں ایک شہری ادارہ باوجود متعدد سہولیات کے بھی انجام نہیں دے سکتا۔ قاضی صاحب سلسلہ بیعت میں حضرت مولانا احمد دینؒ مکھڈی سے وابستہ تھے۔ آپ کو اپنے شیخ طریقت سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ آپ کے بھتیجے حافظ محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں۔ جب چچا جی سخت بیماری کے عالم

میں تھے۔تو آپ ہمیں بارہا فرماتے کہ خیال رکھنا جب میرے حضرت صاحب تشریف لائیں تو مجھے چارپائی سے سہارا دے کر کھڑا کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت صاحب تشریف لائیں اور میں چارپائی پر لیٹا رہوں۔حافظ محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں اگرچہ چچا جی کے ان کلمات کے وقت حضرت خواجہ احمد دین ؒ کا وصال پہلے ہو چکا تھا۔لیکن آپ اس مشکل وقت میں اپنے شیخ کی محبت اور ادب میں ایسے مستغرق تھے۔کہ آپ نے صاحبِ خانہ کو حکم فرمایا کہ ناشتہ جلدی تیار نہیں کرنا، جب حضرت صاحب تشریف لے آئیں تب ناشتے کا اہتمام کرنا۔تمام گھر والے فکر میں پڑ گئے کہ کس حضرت صاحب کی آمد ہے؟ ہمیں تو کوئی اطلاع ہی نہیں ہے۔تاہم جب صبح ۱۰ بجے کا وقت ہوا تو عمدۃ الفاضلین حضرت مولانا فضل الدین ؒ مکھڈی آستانہ عالیہ مکھڈ شریف سے قاضی صاحب کی عیادت کے لیے تشریف لے آئے۔تب صاحبِ خانہ کی آنکھ کھلی کہ قاضی صاحب جو فرما رہے تھے وہ ان ہی کی آمد کی خبر دے رہے تھے۔تاہم پیر صاحب نے قاضی صاحب کی بہ طریقہ مسنونہ عیادت فرمائی۔دورانِ عیادت پیر صاحب نے حضرت مولانا محمد علی ؒ مکھڈی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "یا حضرت مولانا آپ نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔اگر ان کی زندگی ہے تو دعا فرماؤ ان کی تکلیف آسان ہو جائے۔ جب مولانا فضل الدین ؒ صاحب لنگڑیال سے مکھڈ شریف تشریف لائے تو آپ نے آتے ہی قاضی صاحب کی صحت یابی کی دعا کے لیے حضرت مولانا محمد علی ؒ مکھڈی کے مزار شریف پر حاضری دی۔ جب مزار شریف سے باہر تشریف لائے تو حضرت محی الدین محمد صالح گل ؒ صاحب نے حضرت مولانا فضل الدین ؒ سے قاضی صاحب کی طبیعت کے متعلق استفسار فرمایا۔حضرت نے فرمایا کہ بس قاضی صاحب گئے۔تاہم اسی دن بوقتِ شام قاضی صاحب کا وصال ہو گیا۔تاریخ وصال ۔۲، ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴ء۔مدفن: لنگڑیال شریف۔

تذکرہ حافظ عبدالغفور ؒ: آپ ؒ نے ابتدائی تعلیم مع ناظرہ قرآن شریف اپنے آبائی گاؤں لنگڑیال شریف میں استاد حافظ سلطان احمد سے حاصل کی۔مزید حفظِ قرآن کا شوق آپ کے دل میں پورا

نمودار ہوا کہ آپ کے برادرِ اکبر میاں عبداللہ نظامی کراچی تشریف فرما تھے۔ قبلہ استاد صاحب اور آپ کے ایک مخلص دوست محمد صدیق میاں عبداللہ صاحب کے ہاں کراچی تشریف لے گئے وہاں کسی مسجد میں استاد صاحب نمازِ جمعہ پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ وہاں کے امام مسجد نے آپ کی شرعی وضع قطع دیکھ کر آپ کو نمازِ جمعہ کی امامت کے لیے مصلے پر کھڑا کر دیا۔ آپ کے رفیق سفر محمد صدیق صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ عبدالغفور صاحب کے ساتھ اس شخص کے قبل ازیں کوئی تعلقات اور جان پہچان بھی نہیں ہے تو کیونکر اس شخص نے آپ کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہہ دیا۔ بہر صورت استاد صاحب وہاں ایک ماہ تک مقیم رہے۔ ایک دن کسی مقام پر تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک سندھی آیا، اور اس نے استاد صاحب سے کہا کہ کیا تم حافظِ قرآن ہو؟ استاد صاحب نے ''لا'' میں جواب فرمایا۔ جب وہ سندھی چلا گیا۔ تو استاد صاحب کے دل میں حفظِ قرآن کا شوق پیدا ہوا اور فرمایا کہ کاش میں حافظِ قرآن ہوتا تو اس کو بجائے ''لا'' کے ''نعم'' میں جواب دیتا۔ چند ایام کے بعد آپ اپنے گاؤں میں تشریف لے آئے اور ایک معمول بنالیا کہ ہر روز ایک ربع کبھی نصف پارہ یاد فرمالیتے۔ یونہی آپ نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے شعبۂ کتب میں ابتدائی فارسی بمع گرائمر حافظ سلطان احمد سے پڑھی۔ انھی ایام میں آپ کے والد گرامی کا پاؤں مجروح ہو گیا تھا۔ ان کی جگہ امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے اچھرال سے حضرت مولانا خان محمد صاحب تشریف لائے۔ ان سے حافظ عبدالغفور صاحب نے نامِ حق، پند نامہ مع دیگر کتب اس ذوق وشوق سے پڑھیں کہ آپ ایک فارسی دان بلکہ بزبانِ فارسی متکلم ومحرر بن گئے۔ آپ نے صرف ونحو کی کتب حافظ میاں عبدالرحیم اخلاصی سے پڑھیں۔ آپ کے پڑھنے کا طریقہ یہ رہا کہ ہر روز لنگڑیال سے اخلاص پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے اور واپس جا کر لنگڑیال میں طلباء کو قرآن شریف کا درس بھی دیتے تھے۔ ایک روز آپ اخلاص ہی سے سبق پڑھ کر واپس جا رہے تھے۔ تو راستے میں آپ کو ایک فقیر بزرگ مل گیا اس بزرگ نے آپ سے کہا کہ میری قمیض کا بٹن لگا دیں۔ استاد صاحب نے جب بٹن لگایا تو اس

فقیر نے آپ کو بڑی دعائیں دیں۔استاد صاحب نے فقیر سے پوچھا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔تو اس نے کہا کہ میں یہاں گاڑی کا انتظار کر رہا ہوں ۔حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا کہ سڑک سے دو تین کلو میٹر دور جنگل میں گاڑی کا انتظار کیسا؟ بہر صورت اس فقیر کی دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ استاد صاحب نے اپنی منزل مقصود کو حاصل کر لیا۔

سلسلہ تدریس: یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا لیکن شعبۂ حفظِ قرآن میں آپ اُستاذ الکل تھے۔کچھ عرصہ آپ کراچی مدرسہ قمرالاسلام شاہ منظور ہمدانی کے پاس پڑھاتے رہے اور وہاں آپ نے اس شعبہ میں ایسا کام کیا کہ آج تک شاہ صاحب آپ کی مدح میں یوں رطب اللسان ہیں۔"کہ حافظ عبدالغفور صاحب جیسا محنتی استاد ہمارے ادارے میں نہیں آیا"۔ چند ایام کے بعد آپ اپنے گاؤں معمول کے مطابق چھٹی آئے ہوئے تھے۔تو آپ کے پیر و مرشد، پیکر صبر و استقامت حضرت مولانا محمد دین صابریؒ مکھڈی کا مکتوب شریف آپ کو موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ حافظ صاحب اگر بیٹھے ہو تو کھڑے ہو جاؤ، اور اگر کھڑے ہو تو مکھڈ شریف کی طرف چل پڑو۔تاہم آپ نے اسی وقت والدہ صاحبہ سے اجازت لی اور قدم بوسی کر کے اپنے شیخ کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے مکھڈ شریف پہنچ گئے۔شیخ طریقت کا حکم تھا کہ یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھو۔آپ نے سابقہ مدرسہ سے اجازت لے کر اپنے شیخ کے حکم کے مطابق خانقاہ معلیٰ میں ۲۳ سال تک شعبۂ حفظ کو رونق تدریس بخشی۔مولوی غلام محی الدین ملہووالی والے بیان کرتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں حافظ عبدالغفور صاحب کو مولانا شاہ محمد علیؒ مکھڈی نے خواب میں زیارت بخشی۔حضرت مولانا نے حافظ صاحب کو فرمایا تھا کہ حافظ اب تم صحیح منزل پر پہنچے ہو۔

اندازِ تدریس: اللہ تعالیٰ نے حافظ عبدالغفور صاحب کو شعبۂ حفظ میں وہ اندازِ تدریس بخشا جو بہت ہی کم اساتذہ میں نظر آتا ہے۔آپ نے شعبۂ حفظ میں جو کام کیا اُس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے۔کہ ایک مرتبہ راقم الحروف سید غلام محی الدین سلطان پوری مہتمم جامعہ ضیاء العلوم (راولپنڈی) کے ہاں شعبہ کتب میں داخلہ کے لیے حاضر ہوا۔آپ ہر طالب علم سے قرآن شریف

کا ٹیسٹ لے رہے تھے۔ جو طالب علم بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا تو سب سے قبل آپ یہ پوچھتے کہ آپ نے حفظ کہاں کیا ہے؟ جو طالب علم حافظ عبدالغفور صاحب کا نام بتاتا تو آپ فرماتے اگر حافظ عبدالغفور صاحب مکھڈ شریف والے ہیں تو جاؤ تم بغیر امتحان لیے پاس ہو۔ کیونکہ وہ اپنے شعبہ میں استاذ الکل ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مکھڈ شریف کی درسگاہ میں خدمتِ قرآن کے حوالے سے جو کام حافظ عبدالغفور صاحب نے کیا۔ شاید ہی اس سے قبل یا بعد میں کسی نے کیا ہو۔

آپ کا اندازِ تدریس اس قدر سہل تھا کہ آپ سے تربیت یافتہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ہمیں بہت قلیل وقت میں بہت کچھ یاد ہو جاتا تھا۔ ہر طالب علم سبق اس طرح تیار کر کے لاتا کہ اُستاد کو غلطی بتانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب اور دبدبہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کلاس میں موجود ہوں یا نہ ہوں، ہر دو صورت طلبا کی پڑھائی کا معاملہ یکساں نظر آتا اور آپ اسباق کے معاملہ میں طلبا سے تخفیف کی بجائے بعض دفعہ سخت قسم کی سرزنش بھی فرمادیتے لیکن چھٹی کے بعد طلبا سے اس قدر شفقت فرماتے کہ طلبا کو سابقہ سختی اور سرزنش کا احساس نہ رہتا۔ یہی ایک تجربہ کار اُستاد کی پہچان ہے۔

مولوی غلام محی الدین بیان فرماتے ہیں۔ کہ حافظ عبدالغفور صاحب کی آمد سے قبل مکھڈ شریف کی درسگاہ میں بروز جمعہ، بعد الجمعہ حفظ کی کلاس کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن حافظ صاحب ماہ رمضان شریف میں اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا محمد دین مکھڈی نے حافظ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کیا جمعہ کے بعد کلاس نہیں لگاتے ہو؟ حافظ صاحب نے عرض کی ''بروز جمعہ بعد از ظہر کلاس نہیں لگائی جاتی تو حضرت مولانا محمد دین صاحب نے فرمایا کہ جمعہ والا دن ہو اور رمضان بھی ہو جو کہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ اُس وقت سے حافظ صاحب نے یہ معمول بنالیا۔

آپ کا علمی مقام: استاذ الحفاظ کی شخصیت سے بظاہر کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ آپ حافظِ قرآن کے علاوہ ایک جید اور اجل فاضل بھی تھے البتہ جن حضرات کو آپ سے کسی مسئلہ میں یا کسی شرعی

فقہی [جزئی] معاملے میں کوئی واسطہ پڑا تو وہ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ آپ قرآن وحدیث کے صحیح مفاہیم ومطالب سے آگاہ تھے۔ جیسا کہ آپ کے شاگرد رشید قاری محمد صدیق صاحب (صدر مدرس سبزی منڈی، راولپنڈی) بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت مولانا پیر فضل الدین مکھڈی قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے آپ نے سورۂ مائدہ کی آیت اکتیس (۳۱) میں ایک مقام پر وقف فرما کر آگے سے پڑھنا شروع کیا تو کوئی سیاق وسباق میں ربط واضح نہیں ہو رہا تھا۔ پیر صاحب نے حافظ صاحب کو بلا کر فرمایا اس آیت میں مابعد کا ماقبل سے کوئی ربط نہیں بن رہا۔ استاد صاحب نے عرض کی کہ حضور اگر اس آیت میں وقف ''من النادمین'' کی بجائے ''من اجل ذلک'' پر کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ جب حضرت صاحب نے آیت کا اعادہ کر کے اس مقام پر وقف کیا تو مفہوم واضح ہو گیا۔ پیر صاحب نے استاد صاحب کو بہت دعاؤں سے نوازا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ حافظ صاحب تو ہر فن مولا ہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی (مکھڈ شریف میں قیام کے دوران) نے حافظ صاحب سے کسی صیغہ کے متعلق استشہاد کا مطالبہ کیا تو حافظ صاحب نے فوراً بتا دیا۔ استاد عطا محمد صاحب فرمانے لگے ہم نے تو سمجھا تھا کہ حافظ صاحب صرف حافظِ قرآن ہیں یہ تو عالمِ قرآن بھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ مکھڈ شہر میں گروہِ مخالف نے ایک مولوی صاحب کو تقریر کے لیے مدعو کیا اس نے اپنی تقریر میں عقیدہ اہلِ سنت کے خلاف بہت نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ چند ایام کے بعد حافظ محمد عبدالغفور صاحب نے حضرت پیر صالح گلؒ صاحب سے عرض کی کہ مکھڈ شہر میں میلاد شریف کے حوالے سے جلسہ منعقد کیا جائے۔ پیر صاحب کے حکم کے مطابق جلسے کا انعقاد کیا گیا۔ سب سے قبل پیر صالح گلؒ صاحب نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد حافظ عبدالغفور صاحب نے ایسا مدلل خطاب فرمایا کہ آج تک مخالفین نے مکھڈ شہر میں دوبارہ جلسہ منعقد کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ جب کبھی مخالفین کا استاد صاحب سے کہیں آمنا سامنا ہوتا تو مخالفین کو سر جھکا کر گزرنا پڑتا۔ یہ تھا آپ کا علمی رعب۔ اسی طرح سردار خضر حیات (سورگ) بیان کرتے ہیں، میں ایک دفعہ مکھڈ شریف

زیارت کے لیے حاضر تھا تو مکھڈ شہر میں اہلِ تشیع کی اذان ہو رہی تھی۔ وہاں کسی نے کہا کہ ان کی اذان کا جواب دینا لازم ہے۔ میں نے کہا کہ شرعاً کوئی لازم نہیں ہے۔ بات زیادہ طول پکڑ گئی بالآخر ہم اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے حافظ عبدالغفور صاحب کے پاس چلے گئے۔ آپ کے ہاں مسئلے کی نوعیت بیان کی گئی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اہلِ تشیع کی اذان کا جواب لازم نہیں ہے کیوں کہ جواب اذان شرعی کا ہوتا ہے۔ اور ان کی اذان، اذان شرعی نہیں ہے۔ تاہم آپ نے ہمیں بمہ دلائل کے مطمئن کیا۔ نیز اس وقت زیارت شریف میں حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی بھی پڑھاتے تھے ہم نے ان سے بھی اسی مسئلہ کی وضاحت طلب کی تو وہ بھی فرمانے لگے کہ حافظ صاحب نے صحیح کہا ہے اور ہمارے فُقہائے کرام کی بھی یہی تحقیق ہے، یوں ہی قاری محمد صدیق صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ میں گیا وہاں ایک عالم دین کی تقریر سن رہا تھا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا آج میں تمھیں ایک ایسا فارسی کا شعر سناتا ہوں جو آپ میں سے کسی نے بھی نہیں سنا ہوگا۔ قاری صاحب بیان کرتے ہیں۔ میرے ذوق میں اور اضافہ ہوا کہ کون سا شعر ہوگا جب مولانا نے علامہ رومؒ کا یہ شعر پڑھا۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ خطاب کے بعد میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ حضرت یہ شعر تو میں نے استادِ محترم سے زمانۂ طالبعلمی میں یاد کر رکھا ہے۔ مولانا صاحب کہنے لگے کہ آپ کے استاد علم تصوف میں تو مہارتِ کاملہ رکھتے ہوں گے میں نے کہا کہ وہ تو ہمارے حفظ کے استاد تھے۔ یہ جملہ سن کر مولوی صاحب نے تعجب کا اظہار کیا کہ حفظ کے استاد ہوں اور طلبہ کی اس قدر تربیت فرمائیں۔ بہر صورت ان مذکورہ واقعات سے آپ کی علمی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ذوقِ عبادت: قبلہ حافظ صاحب تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ صاحبزادہ حافظ محمد

یعقوب صاحب بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب کو بچپن ہی میں عبادت وریاضت کا بہت شوق تھا۔ گاہے بہ گاہے اپنے دوست محمد صدیق کے ساتھ جنگل کی طرف چلے جاتے اور وہاں آپ عبادت میں اس طرح مستغرق ہو جاتے کہ محمد صدیق صاحب کو آپ کا بہت انتظار کرنا پڑتا۔ یونہی آپ بچپن میں اپنے والدِ گرامی قاضی غلام یٰسین صاحب سے رات کو چھپ کر عبادت کرتے کہ والد صاحب کہیں کثرتِ نوافل سے منع نہ فرمادیں۔ ایک رات والد صاحب قریب سوئے ہوئے تھے، آپ نے رات کو اُٹھ کر نوافل شروع کر دیے اچانک والد صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے فرمایا۔ عبدالغفور کچھ دیر آرام بھی کر لیا کرو۔ آپ والد صاحب کے تکمیلِ حکم کے لیے کچھ دیر تو آرام فرماتے لیکن والد صاحب کے سو جانے کے بعد دوبارہ محوِ عبادت ہو جاتے۔ اسی طرح دیگر عبادات وظائف کے بہت سخت پابند تھے۔ قیامِ مکھڈ شریف کے دوران آپ کا کلاس میں تشریف آوری سے قبل حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی قبرِ انور شریف کی زیارت بھی آپ کا معمول تھا۔ پھر جب کلاس میں تشریف لاتے تو جائے نشست پر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔ بعد ازیں اسباق کا سلسلہ شروع ہوتا اور یہ آپ کا معمول اپنے گاؤں میں بھی برقرار رہا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے برادرِ اکبر قاضی محمد خورشید صاحب کے ساتھ اپنی زمینیں دیکھنے کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے وہاں راستے میں آپ کو ایک غار نظر آئی وہاں بیٹھ کر اپنے وظائف مکمل فرمائے۔
مولوی غلام محی الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ حافظ عبدالغفور صاحب بڑے عبادت گزار آدمی تھے۔ میں نے جب کبھی بھی آپ کو دیکھا آپ کے ہاتھ میں تسبیح ضرور ہوا کرتی تھی۔ اسی تقویٰ و پرہیز گاری کی بنا پر خانقاہِ معلیٰ کی جامع مسجد کی امامت بھی آپ فرماتے تھے۔ نیز آپ کے تعویذ اور دم میں بھی بہت تاثیر تھی۔ اگر کسی آدمی کو سانپ، بچھو، کتا وغیرہ کاٹ جاتا تو ان کے زہر کے دفاع کے لیے آپ کا دم تریاق کی حیثیت رکھتا تھا۔ بقول مولوی غلام محی الدین صاحب، حافظ صاحب کہا کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی موذی چیز نقصان دے اور ہمارے خاندان کا کوئی فرد پہنچ جائے تو اس کا ضرر رفع ہو جاتا ہے۔ آپ کو اپنے شیخ کی طرف سے بیعت کی بھی اجازت تھی لیکن

سوائے محمد سرفراز (لنگڑیال) کے کسی کو بیعت نہ فرمایا۔ شخص مذکورہ کو بھی بہت اصرار کے بعد بیعت کیا۔ ان تمام مذکورہ امور سے معلوم ہوا کہ آپ فقط نام ہی کے عبدالغفور نہ تھے بلکہ فی الواقع عبدالغفور تھے۔

خطوط: یوں تو آپ کو ہر فن میں مہارتِ تامہ حاصل تھی لیکن خصوصاً زبانِ فارسی میں شغف زیادہ تھا۔ اس لیے آپ اپنے اکثر عزیزوں کی طرف خط فارسی زبان میں ارسال فرماتے۔ اس لیے چند خطوط بطورِ نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنے برادر محمد عبداللہ نظامی کی طرف فارسی میں منظوم خط لکھا۔ ملاحظہ فرمایئے:

سلام مسنون

زمانہ گذشتہ بسے اے اَخی — نہ نامہ نوشتی مرا اے اَخی
خطائے چہ دیدی دریں بندہ را — عفو خواستم از تو تا زندہ را
بہ تعجیل مرسل جوابِ مرا — نباشد بہ تاخیر واجب ترا
نخواہیم چیزے مکن تو ہراس — کہ رزاقِ مطلق رزق دادہ آس
فقط شوق مارا ملاقی تست — دگر شہر کراچی نہ دیدم نخست
یکے خط نوشتی دریں مدّتے — بہ بعد آمدی شاید در حسرتے
تو فہمید شاید بلائے رسید — دہد رنج مارا دریں جا شدید

یک ساعت شمارا کہ من گفتہ بود
اگر خواہی سوئے مرا بہ مرسل کنی زود

اسی طرح آپ بارگاہِ نبوی ﷺ میں یوں استغاثہ پیش کرتے ہیں۔

یارسول اللہ بسے درماندہ ام — مستمندم، عاجزم اُفتادہ ام
چشمِ گریاں سینہ براں آمدم — بس رذیلہ پُر زِعصیاں گناہ آمدم
ہیچ کس با رحم سویم نہ نگرد — نیک و بد ہر حال من طعنہ زند

دستگیرم شود یاشافعِ روزِ جزا
عفو کن ور خواہ مارا از خدا

یارسول اللہ کن بر من نظر
لطف فرما از خطایم در گذر

گر بدم بدکارہ ام از حد بروں
لیک لطفِ تست از جرم فزوں

لطف فرما بیں کہ دارِ من
تا بہ بخشد از طفیلت ذوالمنن

احقر تا بنشستہ در حزن و ملال
بخش او را جُرم از آبِ وصال

آپ نے ایک منظوم عریضہ اپنے شاگردِ رشید قاری محمد صدیق صاحب کی طرف لکھا۔

سلام علیکم چو در خاطری
گر از چشم دوری بہ دِل حاضری

ملا آپ کا خط بوقتِ سعید
بہ مضمونِ نیک بہ طرزِ جدید

سفرنامہ پڑھ کر ہوا مطمئن
خدا نہ دکھائے حوادِث کے دن

بہت خوب کی آپ نے یہ طبع آزمائی
کہ شعروں میں لکھی حقیقت جو آئی

کہا دل نے گر تو کرے طبع آزمائی
کہ ہو جس سے یاروں کی ہمت فزائی

اسی فکر میں آکے میں نے اٹھائی قلم
خدا خیر دے ہر دو سُو دم بہ دم

اگرچہ نہیں میرا مقصد سخن ساز بننا
مگر مجھ کو آتا ہے یاروں کا ہم راز بننا

خدا آپ کو دے دولتِ علم و عمل
کہ جو کام آئے تمھیں آج و کل

شب و روز اپنے کرو یادِ رب
کہ ہے وقت اُس کی اطاعت کا اَب

اُسی پر بھروسہ کرو دم بہ دم
نہ اُس کی اطاعت سے نکلے قدم

اگر پاس ہوں تیرے دوست تمامی
ہو بندے کی جانب سے سب کو سلامی

خصوصاً صدیق و عزیز و قدیر
سلامت رکھے سب کو ربِّ قدیر

اگر ہو ملاقات واجد، رضا، احمد الدیں سے
سلام اُن کو پہنچاؤ بندہ کہیں سے

بہت خامہ فرمائی کی میں نے بس، اَب ختم
نہیں مجھ کو فرصت کہ اُٹھے قلم

ہر کہ باشد زحالِ من پُرساں

یک بہ یک سلامِ من برساں

اسی طرح آپ مذکورہ قاری صاحب کی طرف ایک فارسی خط میں یوں رقم طراز ہیں۔

”عزیز من ہر مشکل و مہم بندہ برافتد دینی یا دنیوی خیر یا شر ہرچہ باشد باید کہ نظرِ ہمت بر ذاتِ احدیت باشد۔ زیرا کہ فاعلِ مطلق آں ذات است۔ پس اگرچہ خیر باشد شکرِ آں باشد کردو قولاً و فعلاً۔ اگر شر باشد اُز روئے توبہ و انابت بہ سوئے او باید گریخت باشد کہ فضل اُو دستگیری کند و تعلق خاطر اُز اغیار گشتہ با خود پیوندد، امید دارم بہ جنابِ عز اسمہ کہ شمارا در ہمہ حال عزیز دارد و اُز ہمہ نگاہ دارد۔ والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم۔“

ایک اور خط جو نامعلوم شخص کی طرف لکھا گیا۔

بسم اللہ کنم آغاز نامہ — نویسم از سوادِ نوکِ خامہ
کہ یاد آید از دیرینہ یارم — کہ اُز ہجرش ملولم! دلفگارم
عیاں سازم زِ دِل فکرِ نہاں را — بروں آرم ہماں آہ و فغاں را
سلام اُز من تُرا اے یارِ نیک — حق تُرا بخشد ہمہ اوصافِ نیک
بہ گویم با تو اے یارِ رمیدہ — بہ وقتِ نیک پیغامت رسیدہ
تسلی داد پیغامت حزیں را — ہزاراں حمد ربّ العالمیں را
کہ خوش وقتے میسر شد شمارا — و دِلجمعے بہ یارانِ وفارا
اگرچہ من ملولم اُز فراقت — دِلے خورسند می باشم زیارت
بہ گفتی دِہ مرا نصیحت و پند — چہ گویم گے ! خود فتادہ بہ بند
سلامت عرض کردم دلبرت را — پیامت نیز دادم جاں برت را
سلامِ اُو نیز گویدم شمارا — چنیں شیوہ بود اہلِ وفارا
اُز خدا خواہم ہمہ خیرے شما — نیز خیرے جملہ یارانِ شما

جملہ یاراں را تحیات و سلام

حق دہد خیرے دو جانب والسلام

سفر اخلاص کے دوران جس فقیر بزرگ کا آپ نے بٹن لگایا تھا۔مقام صحرا میں اس فقیر اور آپ کے مابین جو گفتگو ہوئی۔اس کو آپ نے پنجابی نظم میں تحریر فرمایا،

اِک دن راستہ جاندیاں جاندیان اُگو ملا اِک مُلاں ۔۔۔ نال میرے اُس ملاں نے کیتیاں بے حد گلاں

گل کردے کردے اُس ملاں نے ایہو سخن آلایا ۔۔۔ اس تھیں بہت اداس ہاں میں، جس نے بیڑاں گل میرے دا لایا

اللہ واسطے نال میرے تُسی کرو اِک بھلائی ۔۔۔ بیڑا گل میرے دا چاؤ، چنگاہ کہسی تُہانوں سب خدائی

بیڑا چڑھدے نال اے ملاں پڑھے شکر بتیرا ۔۔۔ شکر خدا دا شکر خدا دا ہو گیا گم چنگیرا

پھر میں پوچھیا مُلاں صاحب نوں اے مردائی ۔۔۔ کیہڑا کم تہاڈا اِتھے کہویں تشریف فرمائی

ملاں صاحب فرمان لگے اِتھے انتظار ہا موٹر دی ۔۔۔ اِک جگہ تے کم اساڈا لگ جاسی سب روکڑ جی

دیکھو یارو اَج کل ملاں جتے ہور اَن پڑھ نہ کوئی ۔۔۔ خاص اڈے تو چل کر انتظاری وچ جنگل دے ہوئی

آپ کا وصال مع ذکرِ اولاد: آپ نے چونکہ کم و پیش ۲۳ سال کا عرصہ آستانہ عالیہ مکھڈ شریف میں خدمتِ قرآن میں گزارا۔بالآخر بوجہ علالت آپ اپنے شیخ کریم کے لختِ جگر کی اجازت سے اپنے گاؤں لنگڑیال تشریف لے گئے۔حافظ محمد یعقوب فرماتے ہیں کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ میرے بزرگوں نے ساری زندگی فی سبیل اللہ دین کی خدمت کی اور میں وہاں تنخواہ لیتا رہا۔لہٰذا اپنے اسلاف کی اس سنت کو زندہ کرنے کے لیے باوجود بیماری کے آپ نے گھر میں مدرسہ کی بنیا د رکھ دی اور بیماری ہی میں طلبا کو قرآنِ کریم پڑھاتے رہے۔جب آپ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ کو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا، لیکن طلبا کے وقت کا اِس قدر طبیعت میں احساس تھا کہ آپ اپنے صاحبزادہ حافظ محمد یونس کو بار بار فرماتے کہ گھر جا کر حافظ محمد یوسف (نکہ کلاں والے) کا ایک سبق تکمیل قرآن کے لیے باقی ہے لہٰذا گھر جا کر ان کا آخری سبق سن کر دعا کروا دینا۔اور اپنے شاگردانِ عزیز سے اس قدر پیار تھا کہ آپ وقتِ اخیر میں اِک اِک طالب علم کا نام لے کر فرماتے اس کو میرا اسلام کہنا اور میرے لیے دعا کا کہنا۔تاہم صبح کی نماز کے وقت آپ نے تمام اہل و

عیال کی موجودگی میں کلمہ شریف کا ورد شروع فرما دیا۔ اور اُسی کلمہ شریف کی حالت میں ہی آپ کی روح دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف انتقال فرما گئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے شیخ کریم کے لختِ جگر پیرِ طریقت محی الدین محمد صالح گل نظامیؒ نے پڑھائی۔ اور آپ ہی نے قبلہ اُستاد صاحب کو اپنی آخری آرام گاہ میں اپنے ہاتھوں سے اُتارا۔ تاریخ وصال ۲۶، ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ بہ مطابق ۱۹۹۴ء

بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی تمام اولاد اپنے والدِ گرامی کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اپنے آپ کو دینِ متین ہی کے ساتھ وابستہ رکھے ہوئے ہے۔ آپ کے تمام صاحبزادگان حافظِ قرآن ہیں بلکہ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ عبدالقادر شعبہ دَرسِ نظامی کی تکمیل مدرسہ زین المدارس، مکھڈ شریف اور دورۂ حدیث شریف جامعہ نظامیہ سے کر چکے ہیں اور آپ اپنے والدِ گرامی کا لگایا ہوا پودے کی مزید آب پاشی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بھائیوں کو حسنِ اخلاق وادب کی دولت سے مزید چاشنی نصیب فرمائے۔

آپ سے فیض یافتہ مشاہیر طلبہ کے اسما: یوں تو آپ سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ تمام کے اسما کو احاطۂ تحریر میں لینا مشکل ہے۔ البتہ چند مشاہیر کے اسما درج کیے جا سکتے ہیں۔

☆ صاحبزادہ سراج الدین محمد ناصر گل، آستانہ عالیہ مکھڈ شریف
☆ قاری حافظ محمد قمر الدینؒ، ڈھوک شاہ محمد والی، میانوالی
☆ صاحبزادہ ڈاکٹر محمد عابد نظامی، آستانہ عالیہ مکھڈ شریف
☆ صاحبزادہ محمد ساجد نظامی، آستانہ عالیہ مکھڈ شریف
☆ قاری محمد صدیق، صدر مدرسہ ضیاء العلوم، سبزی منڈی، راولپنڈی
☆ حافظ محمد مقصود، مدرس، مدرسہ ضیاء العلوم، راولپنڈی
☆ حافظ قاری محمد تصور، مہتمم جامعہ فریدالعلوم، اخلاص
☆ حافظ نذر محمد دومیل، خادم آستانہ عالیہ مکھڈ شریف
☆ قاری نور محمد، مہتمم صالح قرآت اکیڈمی، پنڈی گھیب

☆ قاری محمد واجد، میکی ڈھوک، فتح جنگ [مدرس، مانچسٹر، لندن]

☆ قاری محمد شریف، مدرس مسجد غلام شاہ والی۔ پنڈی گھیب

☆ قاری عبدالقدیر، مدرس، سبزی منڈی، راولپنڈی

☆ قاری محمد رضا، مدرس، واہ کینٹ

☆ قاری محمد رفیق، مدرس، رکھی موڑ، میانوالی

علاوہ ازیں بہت سے طلبا نے آپ سے استفادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

حاضری رسول ﷺ

نسیم حجازی

مدینہ منورہ

ہم ایک ہموار اور بے آب وگیاہ میدان سے گزر رہے تھے۔ میرے بائیں ہاتھ بحیرۂ احمر تھا اور دائیں ہاتھ پر چند میل دُور پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی یہ سڑک سمندر کے اس قدر قریب ہو جاتی کہ ہمیں سمندر کا پانی دکھائی دینے لگتا تھا۔ جدّہ سے مدینہ منوّرہ کوئی اڑھائی سو میل ہے۔

قریباً ایک تہائی راستہ طے کرنے کے بعد سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی آبادی میں رُک گئے۔ یہاں ایک دکان کے کشادہ چھپر کے نیچے بیٹھ کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ ظہر کی نماز پڑھی اور دوبارہ کار پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر اور چلنے کے بعد یہ سڑک سمندر کے ساحل سے ہٹنے لگی، یہاں تک کہ ہم ہموار زمین سے نکل کر ان پہاڑوں میں داخل ہو چکے تھے۔ جن کی وادیوں کا ایک سلسلہ یثرب کے ساتھ جا ملتا ہے۔ بیشتر راستہ سڑک کی دونوں طرف زندگی کے آثار صرف ببول کے درختوں اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں تک محدود تھے، لیکن اچانک کسی وادی میں ہمیں چھوٹے چھوٹے نخلستانوں کے دلکش مناظر دکھائی دینے لگتے۔

مقامِ بدر کے قریب ہم ایک بستی میں رُکے اور وہاں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد آگے چل پڑے۔ اب منزلِ مقصود ہر آن قریب آ رہی تھی اور میرے دل و دماغ اور رُوح کی تمام حسّیات سمٹ کر نگاہوں میں آ چکی تھیں۔

میرے دائیں بائیں اور سامنے وہ چٹانیں، وہ پہاڑ اور وہ وادیاں تھیں، جنھوں نے آفتابِ نبوت کی ضیا پاشیاں دیکھی تھیں اور میرے دل میں ہر لحظہ ان کی تقدیس اور عظمت کا احساس بڑھ رہا تھا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور ہمیں مغرب کی نماز کے لیے راستے کی ایک اور بستی میں رُکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد رات کی تاریکی میں ہمیں مدینہ منورہ کے مضافات کی روشنی دکھائی

دینے لگی۔ پھر ایک موڑ سے آگے ہمیں وہ مینار دکھائی دیے جن پر بجلی کے قمقمے لگے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے اچانک ریڈیو بند کر دیا اور صوت العرب کے ہنگامے، جنھوں نے مسلسل سات گھنٹے ہمارے حال سے بے اعتنائی برتی، اچانک خاموش ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی خاتون نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دوسری عورت اسے صبر کی تلقین کرنے لگی، لیکن اس کی کرب انگیز چیخوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر موٹر ایک پُر رونق بازار میں رُکی اور وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ شاید اس لیے کہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے قربت کا اِحساس اس پر غالب آ چکا تھا۔

میں نے اپنا سامان ایک مزدُور کے حوالے کیا اور مدینہ کے مشہور معلم جناب حیدر الحیدری کے دفتر پہنچا۔ انھیں میری آمد کی اطّلاع مل چکی تھی اور وہ اپنے چند رفقا کے ساتھ میرا انتظار کر رہے تھے۔ حیدری صاحب سے دو منٹ باتیں کیں تو قریب ہی مسجدِ نبوی ﷺ سے عشا کی اذان سُنائی دینے لگی۔ حیدری صاحب نے مجھے نماز کے لیے تیار ہونے کو کہا اور میں نے اپنی اچکن اُتار کر ایک کُرسی پر پھینک دی اور پانی کا کوزہ لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اب میری حالت نا قابلِ بیان تھی۔ میں سارا راستہ یہ سوچتا آ رہا تھا کہ جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوں گا تو میری ذہنی کیفیت کیا ہو گی۔ جب میں گُنبدِ خضرا کی پہلی جھلک دیکھوں گا تو میرے تاثرات کیا ہوں گے اور یہ سوالات میرے ذہن میں صرف آج ہی پیدا نہیں ہوئے تھے، بلکہ شعور کے اس دَور سے جب کہ میرے دل میں پہلی بار مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا تھا۔ میں انہی سوالوں کے جواب سوچا کرتا تھا۔

جدّہ سے روانہ ہوتے وقت میرا خیال تھا کہ میں مسجدِ نبوی ﷺ اور گنبدِ خضرا کی پہلی جھلک دن کی روشنی میں دیکھ سکوں گا، لیکن اب رات ہو چکی تھی۔ میں نے مسجدِ نبوی ﷺ کے صرف وہ مینار دیکھے تھے، جن پر بجلی کے قمقمے روشن تھے اور شاید قدرت کو بھی مجھ جیسے دیوانے کو اچانک ایک امتحان میں ڈالنا منظور نہ تھا۔ وضو سے فارغ ہو کر میں حیدری صاحب کے ایک رفیق شاہ دین صاحب کے ہمراہ وہاں سے نکلا۔ وہ مجھ سے بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ جماعت کھڑی ہو

چکی ہے، آپ جلدی چلیں اور میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں میلوں دوڑ چکا ہوں اور میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد میں بے خیالی کے عالم میں اپنے رہنما کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوتے وقت میرا ذہن ان دُعاؤں اور مناجاتوں سے خالی تھا جو دیارِ حبیب کے تصور سے میری زبان پر آجایا کرتی تھیں۔ شاہ صاحب نے مجھے نمازیوں کی ایک صف میں کھڑا کر دیا، لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں مسجد کے کس حصے میں ہوں، نماز کے بعد میں دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ جب شاہ دین صاحب میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے اُن سے پوچھا ''گنبدِ خضرا کس طرف ہے؟''

انھوں نے آہستہ سے جواب دیا ''اپنے دائیں ہاتھ دیکھو، تم اس آقائے مدنی ﷺ کے پائے مبارک کی طرف بیٹھے ہو، میں تمھیں عمداً یہاں لایا تھا۔'' میں نے اپنے جسم میں ایک کپکی محسوس کی اور میری نگاہیں رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر کی جالی پر مرکوز ہوگئیں۔ اس کے بعد میں کچھ دیر کے لیے مکمل طور پر خالی الذہن تھا، میرے دل میں کوئی آرزو نہ تھی اور میری زبان پر کوئی دُعا نہ تھی، وہ احساسات جن کے اظہار کے لیے میں کچھ دیر پہلے چیخوں کی ضرورت محسوس کرتا تھا، مکمل طور پر دب چکے تھے۔ میری بہترین دُعائیں مستجاب ہو چکی تھیں اور عزیز ترین آرزوئیں پوری ہو چکی تھیں اور میں ایک ایسا اطمینان محسوس کر رہا تھا۔ جس سے میری رُوح نا آشنا تھی۔ روضۂ اطہر کی جالی مجھ سے اِتنی قریب تھی کہ میں اسے چُھو سکتا تھا، لیکن اس دربار میں ادب کے تقاضے کچھ اور تھے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اس مقام کی عظمت کا احساس میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد میں اچانک اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دیر تک درود و سلام پڑھتا رہا۔ اس کے بعد شاہ دین صاحب مجھے روضۂ اطہر کی دوسری جانب مسجد کے اس حصے میں لے گئے جہاں عہدِ نبوی ﷺ کی اِبتدائی حدود

تھیں۔ زائر اس حصے کے ہر ستون کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مجھے جو جگہ خالی نظر آتی تھی، وہیں نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ اچانک محراب النبی ﷺ سے ایک نمازی اُٹھا اور میں آگے بڑھ کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ نیت کے لیے ہاتھ اُٹھانے لگا تو دل نے آواز دی کہ تیری پیشانی حضور ﷺ کے قدموں سے پیچھے رہنی چاہیئے اور میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نفل پڑھ کر فارغ ہوا تو شاہ دین صاحب نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ کی سجدہ گاہ کو محراب کی چوڑائی کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے اور اب اگر کوئی محراب کے اندر کھڑا ہو کر بھی سجدہ کرے تو بھی اس کا سر حضور کے قدموں سے آگے نہیں بڑھے گا۔

اب نفل پڑھنے کے سوارات کو میرا کوئی پروگرام نہ تھا، لیکن معلوم ہوا کہ مسجد کے دروازے بند ہونے والے ہیں۔ اچانک مجھے حیدر الحید ری صاحب نظر آگئے اور میں نے ان سے روضۂ اطہر پر سلام پڑھوانے کی درخواست کی۔ وہ میرے ساتھ چل دیے۔ اب لوگوں کا ہجوم قدرے کم ہو چکا تھا۔ حیدری صاحب کے لہجے میں ایک عرب کا سوز و گداز تھا۔ بعض احساسات جو ابھی تک میرے دل کی گہرائیوں میں دبے ہوئے تھے، آہستہ آہستہ اُبھرنے لگے۔ میں اس آقا ﷺ کے دربار میں کھڑا تھا۔ جس کے غلاموں کی عظمت کی داستانیں میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھیں۔ دبے ہوئے احساسات آنسو بن کر بہہ نکلے، لیکن جذبات کے انتہائی ہیجان میں بھی اس خیال سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا کہ یہاں آواز نکالنا بے ادبی ہے۔ حضور ﷺ کو درود و سلام پڑھنے کے بعد میں باری باری سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کو سلام پڑھا جو اسی روضۂ اطہر میں آسودۂ خواب ہیں۔ پھر مقامِ جبرئیل علیہ السلام پر کھڑے ہو کر دُعائیں مانگیں اور مسجدِ نبوی ﷺ سے باہر نکل آیا۔ میں نے مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب ہی ایک خوب صورت ہوٹل قصر المدینہ میں کمرہ لے لیا اور حیدری صاحب کے دفتر سے اپنا سامان اٹھوا کر وہاں لے آیا۔ شاہ دین صاحب کچھ دیر میرے پاس بیٹھے رہے۔ یہ بزرگ لاہور کے رہنے والے ہیں اور کوئی دس سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ میرے محترم

بزرگ چودھری فتح محمد بٹالوی صاحب جدّہ کی طرح مدینہ میں بھی اپنے احباب کو میری آمد کی اطلاع دے چکے ہیں۔

چودھری فتح محمد صاحب اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جو تقریباً ہر سال حج کے لیے جایا کرتے ہیں۔ لاہور سے روانگی کے وقت میں نے حجازِ مقدس کے سفر کے متعلق چودھری صاحب سے ہدایات لینے کی کوشش کی تھی، لیکن بدقسمتی سے ان سے ملاقات نہ ہوسکی، جب میں تہران پہنچا تو پاکستانی سفارت خانے کی معرفت مجھے ان کی طرف سے ایک لفافہ موصول ہوا، جس میں بعض حضرات کے نام تعارفی خطوط تھے۔ اس کے علاوہ چودھری صاحب نے اس اِحتمال کے پیشِ نظر کہ شاید تہران میں ان کا خط مجھے نہ مل سکے، براہِ راست بھی ان حضرات کو میرے متعلق اطلاع بھیج دی تھی۔

اگلے دن مسجدِ نبوی ﷺ میں نمازِ فجر ادا کرنے اور روضہٗ اطہر پر درود وسلام پڑھنے کے بعد میں نے وادیٔ یثرب کی سیاحت شروع کی۔ چونکہ مدینہ منورہ میں میں رات کے وقت داخل ہوا تھا۔ اس لیے میری پہلی خواہش یہ تھی کہ شہر کی سیاحت شروع کرنے سے پہلے آس پاس کے اہم مقامات اچھی طرح دیکھ لوں۔

[پاکستان سے دیارِ حرم تک]

☆☆☆☆☆

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ / فیض احمد فیض

شنیدم در عدم پروانہ می گفت
دمے از زندگی تاب و تبم بخش
پریشاں کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش
[علامہ ڈاکٹر محمد اقبال]

☆☆☆☆☆

یہ پروانہ عدم میں کہہ رہا تھا
مجھے تابندگی کا راز دے دے
بکھر جائے سحر کو راکھ میری
مگر شب بھر کا سوز و ساز دے دے
[فیض احمد فیض]

[از:۔ پیامِ مشرق]

☆☆☆☆☆

قسط۔۔۔۴

توحیدِ خالص

حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ

بحث الاسلام والایمان بخاری شریف باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وھو قول وفعل ویزید وینقص۔

ترجمہ:۔ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا: وہ زبان سے اقرار کرنا اور جوارح سے عمل کرنا اور وہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا۔

عمدۃ القاری فی الحدیث اعنی حدیث جبریل علیہ السلام بیان لاصل الایمان وھو التصدیق الباطن واصل الاسلام وھو الاستلام والانقیادالظاہر عمدۃ القاری. ص ۲۹۰۔

ترجمہ:۔ یہ حدیث بیان ہے اصل ایمان کے لیے وہ کیا ہے۔ دِل سے تصدیق کرنی ہے اور اصل اسلام کیا ہے۔ مان لینا اور تابعداری ظاہر [کرنا]۔

اسلام:۔ یہاں یہ تحقیق بیان کردینا مناسب ہے کہ مصداق ایمان میں اعمال کو داخل کرنے میں تین مذہب ہیں۔

مذہب (۱) اعمال حقیقت ایمان شرعی کے لیے جزو حقیقی ہیں۔ **واذافات الجز، فات الکل** یہ مذہب معتزلہ وخوارج کا ہے۔

مذہب (۲) اعمال ایمان سے بالکل خارج ہیں حتیٰ کہ مصداقِ ایمان سے بھی بے تعلق ہیں۔ **الایمان قول بلاعمل** ان کا مقولہ ہے یہ مذہب مرجئہ کا ہے مذہب (۳) اعمال حقیقتِ ایمانی سے تو خارج ہیں مگر ایمان کے لیے متمم اور مکمل ضرور ہیں جیسے اعضاء انسانی حقیقت انسانی سے خارج ہیں مگر کمال انسانی کے لیے موقوف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کمالِ ایمان کے لیے

جز اور اس میں یہ مذہب اہل سنت والجماعت کا [داخل ہے] ہے:۔

صفات باری عز اسمہ قال اللہ تعالی لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ. ذاتِ خداوندی باوجود ایک ہونے کے پھر سب کمالات کے ساتھ موصوف ہے۔ایک شخص کلکٹری اور مجسٹریٹی دونوں کے کام کرتا ہے اس لیے دو نام ہو گئے ورنہ حقیقت میں ہے وہ ایک ہی ذات، ایسے ہی ذاتِ خداوندی بھی بسبب جدا جدا کاموں کے خالق رازق، سمیع، بصیر کہلاتی ہے۔غرض یہ کہ صفات کا متعدد ہونا اس کی وحدت کے کسی طرح منافی نہیں اور جس طرح ذات خداوند تمام موجودات کے لیے اصل ہے اسی طرح کمالاتِ خداوندی کمالاتِ مخلوق کے لیے اصل ہے اور مخلوق میں جو کمال ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ مخلوقات کا وجود اسی کے وجود کا پرتو اور عکس ہے۔ آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کیسے منور ہوتی۔ آتش میں اگر حرارت نہ ہوتی تو پانی کیسے گرم ہوتا۔اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آجاتا۔ بندوں میں حیات بھی ہے، علم وقدرت بھی ہے، ارادہ واختیار بھی ہے، سمع وبصر اور کلام بھی ہے اور یہ ساری باتیں باتفاق خوبی اور کمال کی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ کمالات اگر خالق میں نہ تھے تو مخلوق میں کہاں سے آگئے۔ نیز اگر خداوندِ کریم ان صفات وکمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے اور ممکن کا واجب سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لیے کہ مخلوق میں حیات، علم، قدرت، سمع، بصر سب موجود ہے۔ اب اگر خدا اِن صفات سے عاری ہو تو یقیناً مخلوق کو خالق سے افضل کہنا پڑے گا کیونکہ زندہ کا مردہ سے اور علم کا غیر عالم سے اور قادر کا غیر قادر سے افضل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

خشک ابرے کہ بود ز آب تہی
ناید ازوئے صفت آبدہی

حیات:۔ [پہلی صفتِ خداوندی] پس ضروری ہے کہ اللہ میں صفتِ حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہو کہ واہمہ موت سے بھی پاک ہو اور تمام عالم کی حیات اسی کی حیات کا پرتو اور فیض

ہو۔حیات اس کے لیے ذاتی اور اصلی خانہ زاد ہو اور کیوں نہ ہو۔اس لیے کہ ایسے بدیع عالم کا ایک میت اور جماد سے صادر ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور باقی عالم کی حیات اسی کی بخشش اور عطاء کا ثمرہ ہے۔اَللّٰہُ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم. اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور سب کا سنبھالنے والا ہے۔ وھو الذین احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم. اسی ذات نے تم کو حیات عطا کی اور وہی پھر تم کو مارے گا اور پھر حیات عطا کرے گا۔

علم:۔[دوسری صفتِ خداوندی] اور وہ ذات علیم بھی ہے یعنی اس کو ہر ہر ذرہ کی خبر ہے۔کوئی شے ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو۔ان اللہ بکل شئی علیم. اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے' عالم میں جو کچھ ہوا' یا ہو رہا ہے یا ہو گا۔ازل ہی میں اس کو ان سب باتوں کا بالتفصیل علم تھا۔

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

اور وہ کیوں نہ عالم ہو۔جب اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور وہی اس کو باقی رکھتا ہے اور وہی اس کی تربیت کرتا ہے' تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا جاننے والا نہ ہو۔کسی شے کو موجود کر دینا یا اس کو باقی رکھنا یا اس کی تربیت کرتے رہنا بغیر علم کے محال ہے۔اَلا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر ،کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہی ایک ایسی ذات ہے کہ جو باریک بیں اور خبردار ہے یعنی اس کا لطیف اور خبیر ہونا ہی اس کے علیم ہونے کی کافی دلیل تھا' چہ جائیکہ وہ خالق بھی ہے۔علاوہ ازیں علم کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ معلوماتِ عالم کے سامنے موجود ہوں۔کوئی شے اس سے مخفی نہ ہو اور جہل کی حقیقت یہ ہے کہ معلومات اس کے سامنے موجود نہ ہوں بلکہ غائب اور مخفی ہوں۔اور ظاہر ہے کہ مصنوع صانع سے غائب نہیں ہو سکتا۔یہ کیسے ممکن ہے کہ جن حقائق کو وہ وجود عطا کرتا ہے وہ حقیقتیں اس سے محجوب اور مستور ہوں۔پس یقیناً عالم کی تمام چیزیں اس معطی وجود کے سامنے بے حجاب اور بے نقاب ہوں گی۔اور اسی بے حجاب اور بے

نقاب ہونے کا نام علم ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لا یخفی علیه شئی فی الارض ولا فی السماء. بے شک اللہ پر کوئی چیز زمین اور آسمان کی پوشیدہ نہیں. وماتکون فی شان و ماتتلو منه من قرآن ولا تعملون من عمل الا کنا علیکم شهودا از تفیضون فیه وما یعزب عن ربک من مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذالک والا اکبر الا فی کتاب مبین.

ترجمہ: بے شک اللہ پر کوئی چیز زمین اور آسمان کی پوشیدہ نہیں۔ آپ کی کوئی شان اور کوئی تلاوت اور کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس پر ہم حاضر اور مطلع نہ ہوتے ہوں۔ جبکہ تم اس عمل میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہوتا۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی کوئی شے نہیں کہ جو ہمارے یہاں لوحِ محفوظ میں درج نہ ہو ایک معمولی گھڑی اور گھنٹہ کو دیکھ کر ہم کو اس کا یقین آجاتا ہے کہ اس کا موجد ضرور علمِ ہندسہ کا بڑا حاذق اور ماہر ہوگا کہ جس نے اوقات معلوم کرنے کے لیے یہ عجیب وغریب آلہ ایجاد کیا۔ لہٰذا اِس عالم کا نظامِ شمسی اور قمری دیکھ کر یہ کیسے یقین نہ آئے کہ اس کا بنانے والا بڑا ہی علیم وحکیم ہے۔

قدرت نمبر۳:۔ اور وہ ذات قدرت بھی رکھتی ہے۔ اس قدرت کی وجہ سے جس شے کو چاہے موجود یا معدوم کر سکتی ہے۔ کسی چیز سے وہ عاجز نہیں جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے، ان اللہ علی کل شئی قدیر ، یقیناً حق تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ مخلوقات میں جو کچھ قدرت اور اختیار ہے وہ سب اسی کا فیض اور عطیہ ہے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مخلوق تو اپنے افعال پر قادر اور مختار ہو اور خدا تعالیٰ اپنے افعال میں مجبور اور مضطر ہو۔ ہر سلیم الفطرت جانتا ہے' کہ قدرت اور اختیار صفتِ کمال ہے اور ایجاب اور اضطرار کھلا ہوا عیب ہے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار ، تیرا پروردگار پیدا کرتا ہے جس چیز کو چاہتا ہے اور اختیار کرتا ہے وہ قادر [و] مختار ہے۔ جس طرح چاہے تصرف کرے۔ لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون۔

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو
کشاید زبان جز بہ تسلیمی تو

زباں تازہ کردن باقرار تو
نہ یگختن علت از کار تو

ایک خدشہ اوراس کا جواب:۔ خدااگر قادرِ مطلق ہے تو اپنے فنا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔ جواب یہ ہے کہ قادر کی تاثیر اور قدرت کو اس وقت ناقص کہہ سکتے کہ جب مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو مگر فاعل کسی وجہ سے اثر نہ کرسکتا ہو۔ شجر اور حجر اور دیگر جمادات اگر نورِ آفتاب سے منور نہ ہوں تو آفتاب کا کیا قصور ہے، آفتاب کی تنویر تو شیشہ اور توے سب ہی پر واقع ہوتی ہے۔ لیکن جب آئینہ پر اس کی تنویر واقع ہوتی ہے تو جگمگانے لگتا ہے۔ توے میں یہ بات نہیں اس لیے کہ اس میں روشن ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب اس کی قدرت کاملہ ممکنات سے متعلق ہوتی ہے تو ممکنات اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے اس کا اثر قبول کرتے ہیں اور محالات اور ممتنعات اس وجہ سے کہ ان میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں اگر وہ تحت القدرۃ نہ داخل ہوں تو قدرتِ خداوندی کا کیا قصور ہوا، اور باری تعالیٰ پر چونکہ موت اور فناء کا طاری ہونا اس کے حیی و قیوم ہونے کی وجہ سے محال ہے۔ اس لیے اگر اس کی موت ظہور میں نہ آسکے تو قدرتِ کاملہ کا کوئی قصور نہیں۔

جواب نمبر۲:۔ کہ حق تعالیٰ وجودِ واجب اور ضروری ہے اور عدم اس کا محال اور ممتنع ہے اور قدرت کا تعلق محالات کے ساتھ نہ ایجاداً (یعنی قدرت اس محال کو موجود کردے) ہوسکتا ہے اور نہ اعداماً (یعنی قدرت اس محال کو معدوم کردے) اس لیے کہ محال اس کو کہتے ہیں کہ جس کا عدم حتمی اور لازمی ہو اور اس کا وجود میں آنا ناممکن ہو۔ پس اگر قدرت کا محال کے ساتھ اعداماً تعلق ہو تو معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے۔ جس سے کوئی فائدہ نہیں اگر ایجاداً اس کے متعلق ہو تو محال کا موجود ہونا لازم آتا ہے اور کوئی شے وجود میں داخل ہونے کے بعد محال نہیں رہ سکتی اور علیٰ ہذا

قدرت کا تعلق واجبات کے ساتھ بھی نہ ایجاداً ہوسکتا ہے نہ اعداماً۔ ایجاداً تو اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ موجود کو موجود کرنا سراسر تحصیل حاصل ہے۔ اعداماً اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ واجب یعنی جس کا وجود ضروری اور حتمی تھا اس کا معدوم کرنا لازم آتا ہے اور معدوم ہونے کے بعد وہ شے واجب نہیں رہ سکتی۔ الحاصل اس کے قدیر اور مقتدر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر شک ہو تو کیونکر ہوا ایسے حکیمانہ افعال اور مناظرِ قدرت کو دیکھ کر بھی اگر کوئی بد بخت اس کی قدرت کو نہ مانے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی کہ جو مخمل اور کمخواب کو جو قسم قسم کے نقش ونگار سے مزین ہو دیکھ کر یہ کہے کہ یہ کپڑا کسی مردہ شخص یا اپاہج اور بے دست و پا کا بنا ہوا ہے۔ اُن میں سے ایک کا بلا مرجح اختیار کر لینا۔ اس کو ارادہ کہا جاتا ہے۔

ارادہ نمبر۴:۔ ارادہ کے معنی کسی شے کے وجود اور عدم کو جو کہ قدرت کے اعتبار سے برابر تھے۔ ان میں سے کسی ایک جانب کو اپنے اختیار سے ترجیح دینے کے ہیں۔ پس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ ازل میں جو کچھ ارادہ کرلیا تھا اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ، جو ارادہ کرتا ہے وہی کر گزرتا ہے۔ عالم میں اس قسم کا انضباط اور استحکام بدون ارادہ اور اختیار کے پیدا ہونا یقیناً محال ہے۔ خدا کے افعال بدون ارادہ اور اختیار خود بخود مثل حرکت مرتعش کے صادر ہوتے تو عالم میں یہ انضباط اور استحکام اور حسنِ انتظام ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اُسی کے مطابق اعضا حرکت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اعضا کو ارادہ کا علم کس طرح ہو جاتا ہے۔ پس جبکہ بندہ ہی کے ارادہ کے تعلق کی کیفیت نہیں بتلائی جاسکتی تو خداوند ذوالجلال کے ارادہ کے تعلق کی حقیقت کون بتلا سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص یہ ارادہ کرتا ہے وہ خود اپنے ارادہ کے تعلق کی کیفیت سمجھانے سے قاصر ہے۔

والارادة والمشية، لفظان مترادفان لغته اصطلاحا عند الجمهور.

ترجمہ:۔ ارادہ اور مشیت دونوں لفظ مترادف ہیں لغت و اصطلاحاً عند الجمہور۔

ثبوتِ تقدیر:۔ جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے پہلے اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ مکان اگر بناتے ہیں تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تا کہ مکان کی تعمیر نقشہ کے مطابق ظہور میں آئے اس لیے ضروری ہے کہ اس عالم کا نقشہ بھی خدا کے یہاں پہلے ہی سے ایک پنہاں وجود رکھتا ہو اور اس نقشہ ہی کے مطابق اس وجودِ ظاہری کا کارخانہ برقرار ہوتا ہو۔ اہلِ اسلام اسی وجودِ پنہانی کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس مقام پر دو شبے ہیں۔ پہلا شبہ یہ ہے کہ شر اور برائی کا اس کی مشیت سے واقع ہونا اس کی شانِ تقدس کے خلاف ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ جب خدا ہی بندہ کے افعال کا خالق ٹھہرا تو بُرے اعمال میں بندہ کی کیا تقصیر ہوئی۔ ایسی صورت میں بندہ کو سزا دینا کیا ظلم نہ ہوگا۔

معتزلہ:۔ نے اس کی شان تنزیہ اور تقدیس کو قائم رکھنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہو گیا تو خدا کے تنزیہ اور تقدیس میں کوئی فرق نہ آیا اور بُرے افعال کرنے سے بندہ ہی قصوروار رہتا ہے۔ خدا ظالم نہیں ٹھہرتا۔ لیکن اس کہنے سے بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے' اشکال نہیں رفع ہوتا۔ اس لیے کہ اگر بالفرض بندہ ہی کے مخلوق ہوں تو وہ اخلاق اور ملکات اور وہ قدرت اور اختیار کہ جس کے ذریعہ سے بندہ افعال کرتا ہے وہ بندہ کے مخلوق نہیں۔ اخلاق کو اخلاق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خلقی ہیں۔ اخلاق جیسے خدا نے بنا دیئے ویسے ہی بن گئے اور ان کو کوئی بدل نہیں سکتا اور انہیں اخلاق پر جزاؔ اور سزا کا مدار ہے۔ جیسا تخم ہوتا ہے ویسا ہی پھل درخت کو لگتا ہے اور جب جزاؔ و سزا کا مدارِ تخمِ اخلاق پر ہوا، اور اخلاق خدا کے مخلوق ٹھہرے' تو افعال کو اپنا مخلوق بتانے سے کیا فائدہ ہوا۔ ہاں اپنے آپ کو خالق کہہ کر کم فہم اور بے ادب ہونا ثابت ہو گیا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے جزاؔ و سزا کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ جزاؔ و سزا حقیقت میں تخمِ اخلاق اور اشجارِ اعمال کے پھل کا نام ہے۔ جیسے انار اور انگور ایک خاص تخم اور درخت کے پھل کا نام ہے کہ درخت کو زمین کا مخلوق کہو یا خدا کا مخلوق پھل بہر حال لگتا ہے۔ ایسے ہی اعمال کو اپنا مخلوق بتلاؤ یا خدا کا جزاؔ و سزا بہر حال مرتب ہوتی ہے۔ اس کی کیا ضرورت تھی کہ خدا جیسے خالق کو چھوڑ کر اپنے کو خالق بتلا دیا۔ اگر جزاؔ و سزا ہی کا راست بٹھلانا تھا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ پھل کے اچھے اور بُرے ہونے کا مدار اگرچہ تخم

ہی پر ہے، لیکن عرف میں درخت ہی کا پھل کہلاتا ہے۔ ایسے ہی جزاؑ وسزا، اگر چہ تخم ہی پر موقوف ہے۔ لیکن عرف میں عمل ہی کی جزاؑ وسزا کہتے ہیں۔ الحاصل اس فریق نے خدا کی تنزیہ اور تقدیس قائم رکھنے کے لیے بندہ کو خود اپنے افعال کا خالق مان لیا۔ لیکن جب ساتھ ہی ساتھ اخلاق کو خدا کا مخلوق مان لیا تو بندہ کو خالق مان لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوا؛ اور قطع نظر اس سے کہ اس مقام پر کوئی فائدہ ہوا یا نہیں، بندہ کو خالقِ افعال ماننے سے اور چند اشکال سر پڑ گئے۔ اشکال یہ ہے کہ بندہ کے مخلوقات، خدا کی مخلوقات سے بڑھ جائیں۔ کیونکہ بندہ' جو خدا کا مخلوق ہے وہ تو ایک ہے' اور بندہ کے ایک ہی دن کے افعال اگر دیکھے جائیں تو لاکھوں تک پہنچ جاتے ہیں؛ اور اگر تمام عمر کے افعال کو دیکھا جائے تو اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ پس اگر ایک ارب اِنسان خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو ہر انسان کے افعال بھی ایک ارب سے کم نہ ہوں گے۔ اس صورت میں خدا کی مخلوقات کا حاصل جمع ایک ارب ہوتا ہے اور بندوں کی مخلوقات کا حاصل جمع سوارب ہوتا ہے۔ بندہ اگر اپنی عاجزی اور لاچاری اور خدا کی عظمت اور شوکت کا ذرا بھی خیال کرے تو ہرگز اپنے کو خالق نہ بتلائے۔ جو شخص دو اور چار اور دوٗ دونی ہونے کا مطلب خوب سمجھ لے گا؛ وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو دونی پانچ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو خدا کی عظمت اور قدرت اور بندے کے عجز و نیاز کو خوب سمجھ لے گا' اس سے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ خدا کو عظیم و قدیر نہ مانے اور اپنے آپ کو خالق بتلائے۔

مسئلہ تقدیر: کے متعلق اہل حق کی تحقیق اہلِ حق نے جب یہ دیکھا کہ نہ فرقہ قدریہ اس عقدہ کو حل کر سکا اور نہ فرقہ جبریہ، اس لیے اہلِ حق متوجہ ہوئے کہ طالبانِ حق کے سامنے عقل و نقل کی روشنی میں ایسی تشفی بخش تحقیق پیش کی جائے کہ جس سے قلوب مطمئن ہو جائیں وہ خصوصاً پیش کردہ شبہات کا قلع اور قمع ہو جائے۔

اہل حق کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان نہ تو خالق اور فاعل مستقل ہے اور نہ شجر اور حجر کی طرح مجبورِ محض ہے؛ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نہ جبر محض ہے' نہ قدر محض۔ انسان نہ فاعل مستقل ہے اور نہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے۔ ایک بین بین حالت میں ہے۔ بندہ اپنے

افعال کا خالق اور فاعل مستقل نہیں؛ فاعل مستقل اور خالق تو ہر شے کا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس قادر مطلق اور مختارِ کُل نے کچھ قدرت اور اختیار اور ارادہ بندہ کو بھی عطا کیا ہے؛ کہ جس سے بندہ اپنے مولا کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے اسی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے؛ اور اس خداداد قدرت اور اختیار سے بندہ جو فعل کرتا ہے' اصطلاحِ شریعت میں اس کو "کسب" کہتے ہیں اور اسی وجہ سے بھلائی اور برائی اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور اسی کسب پر بندہ مدح اور ذم کا مستحق ہوتا ہے؛ اور اسی پر جزا و سزا، ثواب اور عذاب ملتا ہے۔

چلا عدم سے میں ہستی کو بول دو تقدیر
بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

لہٰذا بُرے افعال کے ارتکاب سے بندہ ہی کو بُرا کہا جائے گا۔ خالق ہونے کی وجہ سے خداوندِ تعالیٰ کی طرف کوئی بُرائی منسوب نہیں کی جا سکتی۔ تلوار چلانے والے ہی کو قاتل کہا جاتا ہے۔ تلوار بنانے والے کو نہ ہی کوئی قاتل کہتا ہے اور نہ کوئی بُرائی اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ تلوار کا بنانا تو کمال ہی کمال ہے لیکن اگر اُس کا استعمال بے محل ہے تو وہ بلاشبہ معیوب اور مذموم ہے۔ رنگریز کو اسود یعنی سیاہ نہیں کہا جا سکتا؛ جو کپڑا سیاہ رنگ میں رنگا گیا ہے اُسی کو سیاہ کہا جائے گا۔ اسی طرح کافر اور گمراہ وہی کہلایا جائے گا جو کفر اور ضلالت کی سیاہی میں رنگین ہے۔ جس نے کفر اور ضلالت کی سیاہی کو پیدا کیا اُس کی طرف کوئی بُرائی منسوب نہیں کی جا سکتی۔ اس خلاقِ عالم نے تو سیاہ اور سفید' کفر اور ایمان ہر قسم کے رنگ پیدا کیے؛ اور تمھارے سامنے کر دیئے اور خوب اچھی طرح بتلا دیا کہ یہ رنگ اچھا ہے اور یہ بُرا' بھلے اور بُرے میں امتیاز کرنے کے لیے تم کو عقل دی؛ کرنے اور نہ کرنے کی تم کو قدرت دی؛ اِس پر بھی اگر کوئی ایمان کے صاف اور سفید رنگ کو چھوڑ کر کُفر کی سیاہی اپنے قلب کو لگا لے تو یہ اس کا [اپنا] قصور ہے۔

حکایت:۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام موصوف نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کیا کہ اے صاحبزادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا حق تعالیٰ نے

کوئی امر بندوں کے تفویض اور سپرد فرمایا ہے؛ کہ وہ اپنے اختیار سے جو چاہیں کریں۔ارشاد فرمایا:
کہ اللہ عز و جل اس سے پاک اور منزہ ہے؛ کہ اپنی ربوبیت بندوں کے سپرد فرمائے۔امام ابوحنیفہؒ
نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر نہ کوئی جبر کیا ہے اور [نہ] کسی چیز کے کرنے پر ان کو مجبور کیا
ہے۔ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل سے یہ بعید ہے کہ وہ بندوں کو کسی امر پر مجبور کرے اور
پھر اُس پر اُن کو عذاب دے۔امام ابوحنیفہؒ نے عرض کیا؛ کہ پھر کیا صورت ہے۔تو فرمایا کہ حالت
بین بین ہے۔نہ جبر ہے اور نہ تفویض نہ اکراہ ہے۔اور نہ تسلیط (کذا فی المکتوبات المجددیۃ)

پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور نہیں بلکہ خداوندِ تعالیٰ ذوالجلال
نے اس کو کچھ اختیار اور ارادہ عطا فرمایا ہے کہ جس سے وہ اپنے سخت سے سخت دینوی کاروبار چلاتا
ہے اور قوانینِ حکومت کا مکلف اور پابند سمجھا جاتا ہے۔بلکہ وہ خود بھی اپنے کو آئین اور دستور کا پابند
سمجھتا ہے۔تو سمجھ لو کہ اسی طرح بندہ احکام الٰہیہ کا بھی مکلف ہوسکتا ہے۔

اور اسی خداداد اختیار سے جو افعال اس سے صادر ہوں؛ ان پر مدح و ذمٔ ثواب اور
عقاب جزا اور سزا مرتب ہوسکتی ہے اور اسی خداداد اختیار سے بندہ جو فعل کرتا ہے۔اسی کا نام
اصطلاحِ شریعت میں "کسب" ہے۔لہٰذا یہ شبہ تو کافور ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ ہی بندہ کے افعال کا
خالق ہو؛ تو ایسی صورت میں بندہ کا کیا قصور اور ایسی صورت میں بندہ کو سزا دینا ظلم ہے۔

جھوٹ بولتا ہے؛ خداوندِ تعالیٰ نے کوئی ظلم نہیں کیا۔یہ خود ہی ظالم ہے۔دیدہٗ دانستہ اور
بہ ہزار رضا و رغبت، باوجود ممانعت کے معصیت کا مرتکب ہوا؛ اور پھر اپنے کو مظلوم بتاتا ہے۔کیا یہ
کھلی ہوئی بے حیائی نہیں کہ جُرم خود کرتا ہے اور اس کا بوجھ اور ذمہ داری خداوندِ قدوس پر رکھنا چاہتا
ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما تقولون علوا کبیرا۔

پہلا شبہ باقی رہ گیا کہ شر اور برائی کا اس کے مشیت سے واقع ہونا اُس کی شانِ تقدسؔ
کے خلاف ہے۔سو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ خلقِ قبیح، قبیح
نہیں اور ایجادِ شر، شر نہیں۔

پاخانہ فی حدذاتہ بے شک ناپاک اور بہت بُری چیز ہے۔ مگر قصرِ شاہی کے لیے اِس کا وجود ضروری ہے۔ قصر شاہی بغیر بیت الخلاء کے غیر مکمل اور نا تمام ہے؛ سیاہ بال اور سیاہ خال اگر چہ فی حد ذاتہ بدنما اور بُرے ہیں۔ مگر آفتاب اور ماہتاب جیسے چہرہ کی رونق اور دل آویزی کو جس حد تک پہنچا دیتے ہیں؛ غالباً اس سے کوئی بے خبر نہیں۔ معدہ اور امعاء اگر چہ سرتا پا نجاست ہیں؛ مگر اس میں شک نہیں کہ مدارِ حیات ہیں۔

بہر حال یہ چیزیں گو انفرادی طور پر بُری ہیں۔ مگر مجموعہ کے لحاظ سے خیر محض ہیں؛ مجموعہ بدون اُن کے بے زیب رہتا ہے جس طرح ایک انسان میں بدون خال اور سیاہ بالوں کے حُسن نہیں پیدا ہوتا اِسی طرح مجموعۂ عالم میں بدوں کفر اور ضلالت کی سیاہی کے حُسن نہیں پیدا ہو سکتا۔ مجموعۂ عالم میں حُسن جب ہی آ سکتا ہے کہ جب اس میں حسین چہرہ کی طرح ایمان و ہدایت بھی ہو اور سیاہ بالوں اور نجاستِ معدہ کی طرح کفر وضلالت بھی ہو؛ ایمان و ہدایت اپنی ذات سے حسین ہیں اور کفر وضلالت اپنی ذات سے قبیح مگر ایجاد اور خلق دونوں کا حسن اور خیر ہے؛ کیونکہ مجموعۂ عالم کے لیے جیسے خیر کی ضرورت ہے ویسے شر کی بھی ضرورت ہے۔ ورنہ مقصد ناقص اور نا تمام رہتا ہے۔ اس لیے کہ ایجادِ عالم سے مقصودِ حق تعالیٰ کو کوئی اپنا ذاتی نفع اور نقصان نہیں۔ بنانے سے اس کے کمالات میں کوئی اضافہ نہیں اور نہ بنانے سے کوئی کمی نہیں۔ مقصد صرف اِس قدر ہے کہ اپنے کمالات اور صفات کے مظاہر پیدا فرمائے اور اپنی خوبیوں کو ظاہر کرے؛ اور ظاہر ہے کہ اس کے کمالات کسی ایک دائرہ میں محدود نہیں؛ بلکہ مختلف قسم کے ہیں اگر وہ رحم و کرم کا مالک ہے تو عتاب والم کا بھی مالک ہے۔ معز اور مذل بھی ہے۔ منعم اور منتقم بھی ہے؛ پس اگر بعض صفاتِ کمالیہ کے مظاہر پیدا کیے جائیں اور بعض کے نہ پیدا کیے جائیں تو مقصد نا تمام رہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ انعام اور انتقام اعزاز اور اِکرام دونوں ہی کے مظاہر پیدا کیے جائیں۔ یعنی مومن بھی ہوں اور کافر بھی اور دارِ انتقام بھی، ابوبکر اور عمر بھی ہوں؛ ابوجہل اور ابولہب بھی ہوں۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیرست

پس منکرین کو اِس واسطے پیدا کیا تا کہ ان کو عذاب دے اور صفتِ قہر و غضب کا اِظہار ہو اور مومنین کو اس لیے پیدا کیا۔ تا کہ ان کو موردِ الطاف بنائے اور صفتِ ترحم کا اظہار ہو اور گنہگاروں کو اس لیے پیدا فرمایا؛ تا کہ صفتِ عفو اور مغفرت کا اظہار ہو۔ کما قال لیعذب الله المنافقین و المنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب الله علی المومنین والمومنات. وکان الله غفورالرحیما۔

ترجمہ:۔ تا کہ حق تعالیٰ منافقین اور منافقات کو اور مشرکین اور مشرکات کو عذاب دین اور مومنین اور مومنات پر توجہ فرمائیں اور بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

انسان دستِ قدرت پر ایسا ناچتا ہے۔ جیسا کہ ایک پتلی، پُتلی والے کے ہاتھ پر ناچتی ہے۔ پتلی والا کبھی پتلی سے بادشاہ اور وزیر کا کام لیتا ہے اور کبھی جاروب کش اور بھنگی کا کام لیتا ہے؛ جو چاہتا ہے۔ اچھا اور بُرا کام اس سے لیتا ہے۔ مگر پُتلی کو انکار کی گنجائش نہیں اور نہ پتلی کو یہ حق ہے کہ پتلی والے سے یہ سوال کر سکے کہ مجھ سے جاروب کش کا کام کیوں لیا اور بادشاہ کا کام کیوں نہیں لیا۔ حالانکہ وہ پتلی بھی پُتلی والے کی طرح خدا کی مخلوق ہے۔ پس جبکہ ایک پتلی، پتلی والے سے یہ سوال نہیں کر سکتی۔ تو مخلوق کو خالق سے سوال اور محاسبہ کا کہاں حق ہو سکتا ہے کہ مجھ کو نالائق و ناہنجار کافر و بدکار کیوں بنایا اور فلاح کو صالح اور نیک اطوار یعنی مومن کیوں بنایا۔

مالک کو اختیار ہے کہ جس تختہ کو چاہے شہ نشین میں لگائے اور جس تختہ کو چاہے بیت الخلاء کے قدمچہ میں لگائے اور جس تختہ سے چاہے قرآن کریم رکھنے کی رحل بنائی جائے جس لکڑی کو چاہے چھت میں لگائے اور جس کو چاہے چولہے کا ایندھن بنائے نہ کوئی یہ ظلم ہے نہ کسی کو مجال دم زدنی ہے اور نہ کسی تختہ کو کسی قسم کے سوال کا کوئی حق ہے۔ مالک کو اختیار ہے کہ جس لوہے کو چاہے تلوار بنائے اور جس لوہے سے چاہے اپنے گھوڑے کے نعل بنوائے۔

مکان میں راحت اور آرام کے لیے دالان اور قضائے حاجت کے لیے پاخانہ بناتے ہیں۔

اگر پاخانہ کی زبان ہواور وہ یہ شکایت کرے کہ میرا قصور کیا ہے کہ جو ہر روز مجھ میں نجاست اور گندگی ڈالی جاتی ہے اور دالان نے کیا انعام کا کام کیا ہے۔ کہ جو فرش اور قالینوں اور گلدستوں سے آراستہ ہے۔ تو اِس کا جواب یہی ہوگا کہ تو اسی لائق ہے اور ہم نے تجھ کو اسی لیے بنایا ہے۔ اور وہ اسی قابل ہے اور اُس کو اسی لیے بنایا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر گندگی یہ شکایت کرے کہ میرا کیا قصور ہے کہ جو مجھ کو ہمیشہ پاخانہ ہی میں ڈالا جاتا ہے۔ کبھی دالان نصیب نہیں ہوتا سو اس کا بھی یہی جواب ہے۔ ایسا ہی بدوں اور گندوں و کافروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ سوال کر سکیں کہ ہم کو ایسا کیوں بنایا اور ہم کو کیوں دوزخ میں ڈالا جاتا ہے اور اگر یہ سوال کریں تو یہی جواب ہے کہ تم اسی لائق ہو ہم نے تم کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ تم ہمارے جہنم کا ایندھن ہو۔ **کما قال اللہ تعالیٰ، والقد ذرانا لجھنم کثیرامن الجن والانس.**

ہر یکے را ہر کارے ساختند
میل او را در دلش انداختند

پس الحمد اللہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ایجادِ شر، شر نہیں کیونکہ خلق اور ایجاد کے معنی اعطائے وجود کے ہیں یعنی کسی شے کو وجود عطا کرنے کے ہیں۔ خالق کی طرف سے صرف وجود آتا ہے؛ جو کہ نور اور سراسر خیر ہے۔ بُرائی اور شر جو کچھ ہے وہ اِس مخلوق کی ذات میں ہے؛ اور مخلوق کا خالق سے مباین اور منفصل ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ پس جبکہ مخلوق خالق سے بالکل مباین اور منفصل ہے۔ اب اگر مخلوق فی ذاتہ قبیح ہو تو اس سے خالق یا اس کی ایجاد کی طرف کوئی قبیح منسوب نہیں ہو سکتا۔ کسی کوزہ کو بدنما ہونا کوزہ گر کے بدنما ہونے کو مستلزم نہیں؛ کسی حرف کا بدنما ہونا کاتب کے بدنما ہونے کی دلیل نہیں۔ اِس لیے کہ کوزہ، کوزہ گر سے اور حرف کاتب سے ایک منفصل اور جُدا چیز ہے۔

☆☆☆☆☆

لیلۃ القدر خیر من الف شھر

لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے

حضرت علامہ مولانا غلام فخر الدینؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

رمضان المبارک کے فضائل اور اس کے فیوض و برکات سے بفضلہٖ تعالیٰ ہر مسلمان واقف ہے۔ دوزخ کے دروازوں کا بند اور شیطان کا قید ہو جانا؛ نفلی عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جانا۔ مردِ مومن کے رزق کا بڑھ جانا۔ روزہ دار کا روزہ افطار کرانے والے کی جہنم سے آزادی اور اس کے گناہوں کا بخش دیا جانا۔ اور اس کو اس روزہ رکھنے والے کے برابر ثواب ملنا۔ خواہ یہ افطار کرانا کھجور کے ایک دانا یا دودھ یا پانی کے ایک گھونٹ سے ہی ہو۔ روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلانے والے کا حضور رحمتِ عالم ﷺ کے حوض کوثر سے پینے کا مستحق ہو جانا۔ روزہ افطار کرتے وقت روزہ دار کی دعاؤں کا قبول ہو جانا۔ روزہ داروں کی مغفرت کے لیے فرشتوں کے علاوہ سورج چاند اور ستاروں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں کا؛ دریاؤں اور سمندروں میں رہنے والی مچھلیوں کا؛ اور زمین پر رہنے والے ہر جاندار کا دعائیں کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فرشتوں کا نمازوں، تسبیحوں اور عبادتوں کا ثواب روزہ داروں کو بخشتے رہنا۔ یہ سب کچھ ماہِ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہے۔ بلکہ حضور رحمتِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر بندوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان المبارک کیا چیز ہے؛ تو میری امت تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو۔

یہ سب حقیقتیں رمضان شریف کی دوسرے مہینوں سے افضلیت کے دلائل اور اثرات و نتائج ہیں۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس کی پہلی تاریخ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر صحائف نازل ہوئے۔ پھر سات سو سال گزرنے کے بعد اسی رمضان شریف کی چھ تاریخ کو

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ''تورات'' نازل ہوئی۔ پھر پانچ سو سال گزرنے کے بعد اسی مبارک مہینے کی بارہ تاریخ کو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ''زبور'' نازل ہوئی۔ پھر بارہ سو سال گزرنے کے بعد اسی ماہِ مبارک کی اٹھارہ تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ''انجیل'' نازل ہوئی۔ پھر چھ سو بیس سال گزرنے کے بعد اسی رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو حضور سرورِ کائنات ﷺ پر ''قرآن کریم'' نازل ہوا؛ تو یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتابوں کے اترنے کا مہینہ ہے۔

اس کی فضیلت کی بڑی وجہ یہی ہے اور اسی مہینے سے رمضان شریف کا قرآنِ کریم میں تعارف کرایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن**۔ یعنی رمضان شریف وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔

لیلۃ القدر

پھر اِس مبارک مہینے میں ایک رات ایسی ہے جس کو خصوصیت سے نزولِ قرآن کی ظرفیت کا شرف حاصل ہے۔ اس رات کو قرآنِ کریم میں لیلۃ القدر کے نام سے یاد فرمایا گیا۔ یعنی قدر کی رات۔ اور لفظ قدر کئی معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک تو قدر بمعنیٰ تقدیر [ہے]۔ اس لیے کہ اس رات میں سالِ آئندہ کے امور مقرر کر کے فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے قدر؛ بمعنیٰ عزت۔ کیونکہ اِس رات میں قدر والی چیز یعنی قرآنِ کریم اترا؛ یا جو عبادت اس میں کی جاتی ہے اِس کی بہت عزت ہے کہ ''تراسی سال چار ماہ'' میں کی جانے والی عبادت سے اس ایک رات میں کی گئی عبادت کی عزت زیادہ ہے۔ تیسری قدر؛ بمعنیٰ تنگی، کیونکہ اس رات میں عبادت کرنے والوں پر سلام اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کے لیے اس قدر فرشتے اترتے ہیں کہ ان پر زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ اس رات کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ لیلۃ القدر میری ہی امت کو عطا ہوئی ہے؛ پہلی امتوں میں سے کسی کو نہیں ملی۔ تو یہ رات امتِ مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خصوصی نعمت ہے اور اس کے مرحمت فرمائے جانے کے کئی اسباب بیان ہوئے

ہیں۔ایک سبب جو زیادہ مشہور ہے وہ یہ کہ ایک دن حضورﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص شمعون نامی کا ذکر فرمایا؛ جس نے ہزار مہینہ باکمال خلوص عبادت اور جہاد میں گزارا۔صحابہ کرام کو رشک آیا۔کاش ہماری بھی عمریں لمبی ہوتیں اور یہ طویل عرصہ ہم بھی جہاد وعبادتِ خداوندی میں گزار سکتے۔اس پر یہ سورۃ شریف نازل ہوئی۔

انا انزلنٰه فی لیلة القدر۔ وماادراك مالیلة القدر۔ لیلة القدر خیر من الف شهر۔ تنزل الملا نکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر۔ سلام هی حتی مطلع الفجر۔

ترجمہ:۔بیشک ہم نے اسے شبِ قدر میں اتارا۔اورتم نے کیا جانا شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس میں فرشتے اور جبرائیل علیہ السلام اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے۔وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔

ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہ رات ایک تو بطور خاص نزول قرآن کی سالگرہ کی رات ہے۔دوسرے اس میں فرشتے خصوصاً روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) مالکِ کائنات کے حکم سے خیر وبرکت کا ہر امر[حکم] لے کر اترتے ہیں اور طلوع فجر تک ہر مومن مرد وعورت کو سلام کہتے ہیں؛ اوران کے حق میں سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: اذا کان لیلة القدر نزل جبرائیل علیه السلام کبکبة من الملا نکة یصلون علی کل عبد قائم اوقائد ذکروالله عزوجل.

ترجمہ:۔یعنی لیلۃ القدر میں جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت میں زمین پر اترتے اور ہر اُس عبدِ مومن کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہا ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے"۔واذا کانت لیلة القدر با مر الله عزوجل من الملائکة ومعهم لواء اخضر فیر کراللمواعلیٰ ظهرالکعبة وله مائة جناح

منها جنا حان لا ينشر هما الا ملك الليلة فينشر هما نے تلک الليلة فيجا وذالمشرق الى ا لمغرب فيحث جبريل عليه السلام الملا ئكة فى هذه الليلة فيسلمون على كل قائم وقاعده ومصل وذاكرو يصافحون ويومنون على دعا هم حتىٰ مطلع الفجر فاذا الطلع الفجر ينادى جبرئيل فيقولون يا جبرئيل فما ضع الله فى حوائج المومنين من اقدامة احمد صلى الله عليه وسلم فيقول نظر الله السهو فى هذه الليلة فعفى عنهم الا اربعة فقلنا يا رسول الله من هم قال رجل منحمر رعاق لوالديه و قاطع رحم رمشا حن قلنا يا رسول الله من مشا حن قال هو المصارم.

ترجمہ:۔یعنی لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کوحکم فرماتا ہےاوروہ فرشتوں کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ پر گاڑ دیتے ہیں ۔حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں۔جن میں سے دو بازوایسے ہیں جن کو بغیر اِس رات کبھی نہیں کھولتے۔چنانچہ ان دونوں بازوؤں کو کھول کر مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں۔پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کو برانگیختہ کرتے ہیں۔کہ جومسلمان آج کی رات کھڑے ہوکر یا بیٹھ یا بحالتِ نماز یا بحالتِ ذکر عبادت میں مصروف ہواس کوسلام اور مصافحہ کریں اوران کی دعاؤں پرآمین کہیں۔چنانچہ صبح تک یہی حالت رہتی ہے پھر صبح ہوجانے پر حضرت جبرائیل علیہ السلام ان فرشتوں کوآواز دیتے ہیں کہ کوچ کرو۔کوچ کرو۔فرشتے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت احمدﷺ کے مومن امتیوں کی حاجتوں میں کیا فیصلہ فرمایا ہےتو حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی ہے اور چار قسم کے لوگوں کے علاوہ سب کومعاف فرمایا ہے۔صحابہ کرام نے پوچھا؛یارسول اللہ وہ چار قسم کے لوگ کون ہیں۔تو حضورﷺ نے فرمایا،ایک تو شراب کے عادی،دوسرے والدین کے نافرمانبردار،تیسرے قطع رحمی کرنے والے،چوتھے کینہ رکھنے والے۔عرض کیا گیا یہ بغض وکینہ رکھنے والے کون ہیں؛تو

ارشاد ہوا کہ آپس میں قطع تعلق اور بول چال بند کر دینے والے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ کہ فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے فرمانے سے روئے زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی گھر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا؛ بلکہ کوئی جنگل یا کوئی کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مردِ مومن ہو اور فرشتے مصافحہ کرنے کے لیے وہاں نہ جاتے ہو۔ فرشتوں کے زمین پر اتر کر ہر عبادت گزار بندے پر سلام کرنے، ان سے مصافحہ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت وخلافت کے اعلان پر" **اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء**"، یعنی کیا ایسے کو نائب کرے گا جو ان میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے؛ اور حقیقت ان کی کہی ہوئی بات کے خلاف ثابت ہوئی؛ اور ایمانداروں کے حالات ان طاعت وعبادت میں جدوجہد اور کوششوں کے مناظر سامنے آئے، تو فرشتے اپنے قول پر معذرت کریں۔ اور بعض جو قصور واقع ہوتا ہے اس پر معافی کی دعا کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ (تفسیرِ خازن) اس سے پایا[یہ بات معلوم ہوتی ہے] جاتا ہے کہ فرشتوں کا نزول جہاں عبادت گزار مسلمانوں پر سلام اور ان کے حق میں دعائے خیر کے لیے ہوتا ہے۔ وہاں وہ یہ بھی دیکھنے کے آتے ہیں کہ محبوبِ خدا ﷺ کے غلام کس حال میں ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ کم ازکم ایسی مبارک ونورانی راتوں میں تو ان حالاتِ غفلت وشقاوت سے پرہیز کرے؛ جو انعاماتِ خداوندی کے بجائے محرومیوں اور شقاوتوں میں مبتلا کردیں۔ یہ لیلۃ القدر تو خصوصیت سے انعاماتِ خداوندی کی اس قدر حامل ہے کہ اس میں بھی محروم رہنے والے کو حضور رحمتِ عالم ﷺ نے محرومِ ازلی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ **ان ھذا الشھر قد حضرکم وفیہ لیلۃ خیر من الف شھر من حرمھا فقد حرم الخیر کلہ و لا یحرم یحرم ھا الا محروم(ابن ماجہ)** ترجمہ:۔ یعنی یہ مہینہ تم پر آیا ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو اس رات سے محروم رہ گیا تو وہ ساری بھلائی سے محروم رہ گیا؛ اور اس کی بھلائی سے وہی محروم رہتا ہے جو محروم ازلی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ عادتِ جاریہ ہے کہ ایسے بابرکت امور کو پوشیدہ رکھتا ہے جو انتہائی خیر وبرکت کے حامل ہوں اور جن کے ساتھ قبولیت [کو] وابستہ فرما دیا ہو۔ (تا کہ اس سے متعلق سارے اوقات وامور کو عبادتِ خداوندی) اوراذ کار ودعاؤں میں گزار کر اوران کی قدر احترام کے خزانہ رحمت سے زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کر سکے۔ چنانچہ اپنے اسمائے مبارکہ میں اسم اعظم کو پوشیدہ فرمایا؛ تا کہ سارے اسمائے مبارکہ [کا] ذکر کیا جائے۔ جمعہ کے پورے دن میں اس وقت خاص کو پوشیدہ فرمایا جو قبولیتِ دعا کا ہے؛ تا کہ سارا دن عبادت اور دعاؤں میں گزارا جائے۔ پانچ نمازوں میں صلوٰۃِ وسطیٰ کو پوشیدہ فرمایا کہ تا کہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی میں پوری کوشش کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ تمام ایمانداروں میں اپنے ولی کو پوشیدہ رکھا تا کہ سب ایمانداروں کا ادب کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح رمضان کی راتوں میں لیلۃ القدر کو پوشیدہ فرمایا؛ تا کہ اس کے حصول کے شوق میں دوسری راتوں کو عبادت میں گزار کر سعادتِ دارین حاصل کی جائے۔ بنابریں اس رات کے تعین کا قطعی علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے۔ البتہ راجح ترین احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف کی عشرۂ آخر کی طاق راتوں میں ایک رات لیلۃ القدر ہے۔ نیز اس وقت کی کچھ علامتیں اور خواب بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ درمنثور میں ہے۔

عن عبادة بن الصامت انه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ليلة القدر فقال فى رمضان فى العشرة الا واخر فا نها فى اليلة وتراحدى وعشرين او ثلث و عشرين اوخمس وعشرين او سبع وعشرين او تسع وعشرين او آخر ليلة من رمضان من قامها ا يماناواحتسابا غفرله ما تقدم من زنبه ومن اما را تها انها ليلة بلجة صانية ساكنة ساجية لا حارة ولا باروة كان فيها قمر اساطعا ولا بحل لنجم ان يرمى به تلك الليلة حتى الصباح ومن امار اتها ان الشمس طلع صبيحتها لا شعاع لها مستوية كا نها القمر ليلة البدر

وحرم الله على الشيطان ان يخرج معها يومئذ.

ترجمہ:۔ یعنی حضرت عبادہ بن صامتؓ نے لیلۃ القدر کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ اکیسویں یا تیسویں، پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں یا رمضان کی آخری رات ہے؛ جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کی اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو گئے۔ اس رات کی علامتوں میں سے یہ بھی [ہے] کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار اور صاف وشفاف ہوتی ہے۔ نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی؛ بلکہ معتدل گویا اس میں (کثرتِ انوار کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے۔ اس رات صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارنے جاتے۔ نیز اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے بعد کی صبح کا سورج بغیر شعاع کے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ہموار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا ہے۔

بعض حضرات نے رمضان کی ستائیسویں رات قرار دیا ہے اور یہ دلائل پیش فرمائے کہ لیلۃ القدر [کے] نو حروف ہیں۔ جن کو اس سورۃ میں تین جگہ فرمایا گیا ہے۔ جس کا مجموعہ ستائیس ہوا۔ دوسرے اس لیے کہ اس سورۃ میں کل تیس کلمات ہیں۔ اور ھــی ستائیسواں کلمہ ہے، تو معلوم ہوا ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے۔ روح البیان وابنِ عباس اور حضرت ابوالحسن شاذ لیؒ سے ایک ضابطہ منقول ہے کہ اگر رمضان شریف کی یکم بروز اتوار ہو؛ تو لیلۃ القدر انتیسویں رات کو اگر یکم پیر کو ہو تو اکیسویں، اگر منگل کو ہو تو ستائیسویں۔ اگر بدھ کو ہو تو انتیسویں۔ اگر جمعرات کو ہو تو پچیسویں۔ اگر یکم جمعہ کو ہو تو ستائیسویں، ہفتہ کو یکم رمضان ہو تو تیسویں رات لیلۃ القدر ہوگی۔ اور اگر اتوار یا بدھ کو یکم ہو تو انتیسویں رات لیلۃ القدر ہوگی۔ اور اگر ہفتہ کے دن یکم ہو تو تیسویں رات لیلۃ القدر ہوگی۔ اگر جمعرات کے دن یکم ہو تو پچیسویں رات لیلۃ القدر ہوگی۔ اور اگر منگل کے دن یکم رمضان ہو تو ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہوگی۔ لیکن محدثین میں مشہور یہی ہے کہ آخری

عشرے کی طاق راتوں میں ایک رات لیلۃ القدر ہے۔ (حاشیہ صاوی برجلالین)

حضور علیہ السلام تعلیم امت کے لیے آخری عشرہ میں اسی رات کی تلاش میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور اپنے غلاموں کو بھی ارشاد فرمایا کہ تحرو الیلة القدر فی الوتر من لاعشر الا واخر من رمضان (مشکوۃ شریف) یعنی رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو پوری کوشش سے تلاش کرو۔

اس رات کے اعمال

اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ہزار رکعتیں پڑھے ورنہ سو رکعتیں پڑھے اتنا بھی نہ پڑھ سکے تو دو رکعتیں پڑھے۔ اس طرح کے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ انا انزلنا فی لیلة القدر. ایک بار سورۃ اخلاص (قُل شریف) تین بار پڑھے۔ دو دو رکعتیں کر کے پڑھی جائیں۔ ہر سلام کے بعد درود شریف کثرت سے پڑھا جائے اور یہ دعا پڑھی جائے۔

اللهم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

نیز نماز تسبیح کا پڑھنا بھی بے شمار فوائد کا حامل ہے۔ چونکہ حتی مطلع الفجر. سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کی برکتیں تمام رات رہتی ہیں۔ لہٰذا رات کے کسی حصہ میں بھی عبادت کرنا اس رات کے خصوصی فیوض و برکات سے بہرور ہونا ہے۔ اس لیے اگر ہو سکے تو تمام رات جاگنے اور ذکر و عبادت کی کوشش کی جائے۔ ورنہ سحری کھا کر تو عبادت میں مصروف ہونا ہی چاہیئے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نمازیں تو جماعت سے ادا کرے۔ ان دو نمازوں کے جماعت سے پڑھنے میں تمام رات کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔ واللہ لموفق والمعین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین.

☆☆☆☆

حضرت علامہ صاحبزادہ بشیر احمد☆

سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کا فرمان

حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا: جو بندہ چالیس دن تک باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہے اس کی نظروں میں باطنی آنکھوں کی روشنی آجاتی ہے؛ وہ شخص ہر آدمی کے دل کی بات، صورت دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے اور زمین کے اندر کی چھپی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ باوضو رہنے والے کی نظر میں ایسا اثر بیدار ہو جاتا ہے کہ وہ کثیف اور ٹھوس اجسام کو دیکھتا ہے تو اُن اجسام کی کدورت اس کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے؛ اور وہ زمین کی آخری حد تک کی ہر مدفون چیز کو دیکھنے لگتا ہے؛ اور ہزاروں کوس دور کی چیز بھی اسے نظر آنے لگتی ہے۔ چاہے پہاڑ راستے میں حائل ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا: باوضو رہنا جسم کو پاک کرتا ہے اور خیالات میں بھی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ جسم اور روح کی پاکیزگی اور خیالات کی یکسوئی سے انسان روشن ضمیر بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس کپڑے سے وضو کے بعد چہرہ صاف کیا جاتا ہے؛ اُس کے اندر بھی باوضو رہنے کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔ (نظامی بنسری)

حضرت کے ایک باوضو مرید کا واقعہ

حضرت نے اپنے ایک مرید احمد ایاز کو فرمایا: جو شخص ہر وقت باوضو رہتا ہے اور اپنے پیر کا تصور دِل و دماغ میں قائم رکھتا ہے؛ اُس کو دوسروں کے دلوں کی باتیں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور وہ زمین کے اندر دفینوں کو دیکھنے لگتا ہے۔ احمد ایاز کہتا ہے؛ حضرت کے فرمان کے بعد میں نے باوضو رہنا شروع کر دیا۔ دن رات باوضو رہنے کی فکر کرتا۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آج میری آنکھوں میں باطنی نور پیدا ہو جائے گا؛ اور ہزاروں میل دور اپنے

☆ مہتمم مدرسہ زینت الاسلام، ٹبہ شریف، ترگ۔ تحصیل عیسیٰ خیل [میانوالی]

والدین کو یہاں دہلی میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لوں گا [میرے والدین دیوگڑھ میں سکونت پذیر تھے] اور زمین کے اندر دفن شدہ چیزیں بھی نظر آنے لگیں گی؛ لیکن چالیس دن باوضو رہنے کے بعد ایسی کوئی کیفیت پیدا نہ ہوئی۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ آخرکار اپنے مرشد کی محفل میں حاضر ہوا۔ اپنے مایوسی ذکر کرنے سے پہلے حضرت نے فرمایا: چالیس دن باوضو رہنے سے تم نے اپنا باطن صاف کرلیا ہے مگر تمہاری یہ خواہش کہ غیبی چیزیں نظر آنے لگیں یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ یہ شیخ کی تعلیم کی آزمائش ہے اور خلافِ ادب ہے۔ اس محفل میں حضرت امیر خسروؒ، خواجہ سید محمد بھی حاضر تھے۔ حضرت نے فرمایا: سید محمد مجھے دیکھیں اور احمد ایاز امیر خسرو کو دیکھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے فرمایا: احمد ایاز اپنی دائیں طرف دیکھے۔ میں نے دائیں طرف گردن موڑی تو دیوگڑھ میں اپنے والدین کو دیکھا کہ میرا باپ اپنے گھر میں چارپائی پر لیٹا ہے اور میری والدہ اس کو پنکھا جھل رہی ہے۔

خواجہ سید محمد اور میں حضرت کی محفل سے رخصت ہوکر گھر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں زمین کے اندر مجھے ایک کالا سانپ نظر آیا۔ میں نے گھبرا کر خواجہ سید محمد سے کہا: ہٹو سانپ ہے۔ سید محمد نے ہنس کر جواب دیا۔ وہ زمین کے اندر ہے۔ باہر نہیں۔ حضرت کی توجہ سے ہم زمین کے اندر کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

گھر پہنچ کر میں نے پھر وہی خیال کر کے اپنے دائیں طرف دیکھنا شروع کیا۔ کہ یکا یک دیوگڑھ میں میرے گھر کا منظر میرے سامنے آگیا۔ میری والدہ میرے باپ کو کہہ رہی تھی: خبر نہیں ہمارا بیٹا کس حال میں ہوگا۔ مجھے ان نظاروں سے بڑی خوشی ہوئی۔ میں نے یہ حال اپنے ساتھی خواجہ سید محمد سے بیان کیا۔ میرے ساتھی نے ناراض ہوکر کہا تم اس نعمت کو تماشہ نہ بناؤ۔ اس نعمت کے ذریعے ہم کو خدا کا دیدار کرنا چاہیئے۔ دنیا کے سیر تماشے میں اس نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ بات سن کر مجھے ندامت ہوئی اور عہد کیا کہ اب آئندہ خدا کی طرف دھیان رکھوں گا۔ (نظامی بنسری)

اعضائے وضو کو خشک کرنے والا رومال

عن عائشة رضی الله عنها قالت کانت لرسول الله ﷺ خرقة ینشف

بها اعضاء بعد الوضو .(ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ وضو فرمانے کے بعد ایک رومال سے

اعضائے وضو کو خشک فرماتے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا: جس کپڑے سے وضو کے بعد چہرہ صاف کیا جاتا ہے اس کے اندر بھی باوضو رہنے کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔ حضرت وضو کرنے کے بعد اپنا چہرہ جس رومال سے صاف کیا کرتے تھے وہ رومال سلطان علاؤالدین خلجی کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ بادشاہ روزانہ رات کو سوتے وقت اپنے چہرے پر ڈال دیا کرے۔ اس طریقہ سے بادشاہ کو اپنی سلطنت کی رعایا کے اندرونی حالات سے آگاہی ہوگی۔ چنانچہ وہ رومال بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رات کو بادشاہ نے حضرت کا وہ رومال اپنے چہرے پر ڈالا اور سو گیا۔ رات کا تھوڑا حصہ گزرنے کے بعد بادشاہ نے اپنے وزرا کو بلایا اور کہا: سارا ہندوستان میری آنکھوں کے سامنے آ گیا اور میں نے شہرِ دہلی کے ہر گھر کو اندر سے دیکھا۔ بہت سے جرم اور گناہ اِس شہر میں ہو رہے ہیں۔ سارے شہر میں ایک تہلکہ پڑ گیا کہ بادشاہ کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ ایک وزیر محبوبِ اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضرت نے نہایت جلال کے لہجے میں فرمایا: انسان غلط راستہ اختیار کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔ میں نے بادشاہ کو اپنا رومال اس لیے دیا تھا کہ وہ شہر کے مظلوموں اور مفلسوں کی تکلیفوں سے واقف ہو؛ اور ان کو دوسروں کے ظلم و ستم سے بچائے اور ان کی غریبی اور مفلسی کو دور کرے۔ مگر اس نے اس طرف توجہ نہ کی اور لوگوں کی طرف اس کا خیال گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے وہ اپنے بندوں کے عیبوں پر اپنی ستاری کی شان سے پردے ڈالتا ہے؛ اور اس نے دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کو اسی لیے بنایا ہے کہ بندوں کے عیب اور گناہ اس اندھیرے میں دوسروں کی نگاہوں سے چھپ

جائیں۔(نظامی بنسری)

سلطان المشائخؒ نے فرمایا: کہ طہارت کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ ظاہر کو گندگی اور میل سے پاک کرنا۔

۲۔ اعضاء کو گناہوں سے پاک کرنا۔

۳۔ دِل کو اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرنا۔

۴۔ باطن کو غیر اللہ سے پاک کرنا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں فرمایا۔

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین . (القرآن۔التوبہ ۱۰۸۔پارہ۱۱)

ترجمہ: اس مسجد میں ایسے آدمی ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ پاکیزہ رہنے والوں سے پیار کرتا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ اہلِ قبا کی تعریف میں نازل ہوئی کہ اے محمد ﷺ مسجد کے اندر وہ مردانِ خدا ہیں جو اپنے آپ کو نجاست، پلیدی اور گندگی سے پاک رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاکوں کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے۔

الوضوء مفتاح الجنۃ.

ترجمہ: وضو بہشت کی کنجی ہے۔

موسمِ سرما کا وضو ایک سال کے جہاد بالنفس کے برابر ہے۔ پیتل اور کانسی کے برتن سے وضو نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ فرشتے ان کی بُو سے نفرت کرتے ہیں۔(سیرالاولیاء۔سید محمد مبارک)

حضرت نے فرمایا: حدیثِ مبارکہ میں ہے۔ قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا۔ اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ گناہ زیادہ ہوں گے۔ پھر وہ کپڑا لایا جائے گا جس سے وہ وضو کے اعضا خشک کرتا تھا اور نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا؛ جس سے اس کی نیکیاں زیادہ ہو

جائیں گی۔اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے کپڑے سے وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنا مکروہ قرار نہیں دیا ہے۔ نیز سلطان المشائخ نے فرمایا: فرشتے موسمِ سرما کے جانے پر خوش ہوتے ہیں۔صرف اس لیے کہ انھیں فقرا کی حالت پر رحم آتا ہے۔اس موسم کے جانے سے غربا کو وضو کی تکمیل میں آسانی ہوتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص نے اپنے اوپر چار چیزوں کو لازم لیا؛ تو وہ اور اس کے آل وعیال کبھی محتاج نہیں ہوں گے۔

۱۔ صبح سے پہلے اُٹھنا۔

۲۔ وقت سے پہلے وضو کرنا۔

۳۔ مسجد میں اذان سے پہلے آنا۔

۴۔ نمازِ وتر کے بعد خاموش رہنا۔

حضرت نے فرمایا کہ حدیثِ مبارکہ میں قصہ موجود ہے۔

حضرت عائشہ الصدیقہؓ ایک مرتبہ چرخہ کات رہی تھیں کہ اذان کی آواز آئی۔اسی وقت کام بند کر دیا اور وضو کر کے نماز پڑھی۔جب وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ دنیا کا جو کام بھی اذان کے بعد کرتا ہے وہ شیطان کا حصہ ہے۔

نکتہ: طہارت میں آپ نے فرمایا: کہ بندہ مسنونہ اعمال میں سے کوئی بھی سنت بجا لائے تو ایسے وقت میں اسے باوضو ہونا چاہیئے۔مثلاً ناخن ترشواتے وقت، حجامت بنواتے وقت انسان کو باوضو ہونا چاہیئے۔کیونکہ قیامت کے دن یہ بال اور ناخن شکایت کریں گے کہ ہم کو ناپاکیزہ حالت میں جسم سے دور کیا گیا۔(سیر الاولیاء)

صحابیٔ رسول ﷺ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ جب رسول ﷺ مدینے میں آئے تو میں آٹھ سال کا تھا۔آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اگر تم سے ممکن ہو تو ہمیشہ باوضو رہو۔اس لیے کہ جب موت کا شیر اور موت کا عقاب چنگل مارتا ہے اگر وہ شخص باوضو ہوتا ہے تو اس کو شہادت کا خلعت دیتے ہیں؛ کیونکہ وضو اسرارِ الٰہی میں سے ایک راز ہے۔

قبر کا عذاب اُس شخص پر زیادہ ہوتا ہے جو وضو میں احتیاط نہیں کرتا۔ (سیر الاولیاء)

سلطان المشائخ کی تحیۃ الوضو کے بعد کی دعا

حضرت نے فرمایا کہ انسان وضو کے بعد دو رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے۔ سلام کے بعد درود شریف پڑھے۔ پھر یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَ نَاصِرُهَا وَمَوْ لٰهَا اَنْتَ لِیْ كَمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْنِیْ لَكَ كَمَا تُحِبُّ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِیْ خَيْرًا مِّنْ عَلَا نِيَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَا نِيَتِیْ صَا لِحَةً. اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُسْنَ الْاِ خْتِيَا رِ وَصِحَةَ الْاِ عْتَبَا رِ وِ صِدْ قَ الْاِ فْتِقَارِ وَصِحَةَ الْاَ خْيَا رِ.

آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک آدمی باوضو رہتا ہے کوئی بلا اور آفت اس کے قریب نہیں آتی۔ نیز فرمایا: وضو کے بعد انسان اپنے بھوؤں پر کنگھا کرے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ جو شخص اپنے ابروؤں پر کنگھا کرتا ہے۔ وہ وباء سے محفوظ ہوتا ہے۔ پھر داڑھی کو کنگھا کرے۔ منقول ہے کہ جو شخص کنگھا کرتے وقت ہمیشہ سورۃ الم نشرح پڑھتا ہے اس کی روزی میں فراخی ہوتی ہے۔ پھر مونچھوں پر کنگھا کرے۔ (سیر الاولیاء)

وضو کے فقہی مسائل

وضو کرنے والے کو چاہیئے کہ اپنے دل میں وضو کی پکی (نیت) ارادہ کرے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ مسواک کرے اور بسم اللہ شریف پڑھ کر وضو کرے۔

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں۔

۱۔ پورے چہرے کا ایک بار دھونا

۲۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت ایک بار دھونا۔

۳۔ چوتھائی سر کا مسح کرنا۔

۴۔ ٹخنوں سمیت دونوں پیروں کا دھونا۔

وضو کی سنتیں

۱۔ وضو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا۔
۲۔ وضو کی نیت کرنا۔ ۳۔ دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھونا۔
۴۔ مسواک کرنا۔ ۵۔ داہنے ہاتھ سے تین مرتبہ کلی کرنا۔
۶۔ داہنے ہاتھ سے تین بار ناک میں ہڈی تک پانی چڑھانا۔
۷۔ بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔ ۸۔ داڑھی کا انگلیوں سے خلال کرنا۔
۹۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔ ۱۰۔ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔
۱۱۔ ہر عضو کو تین تین بار دھونا۔ ۱۲۔ اعضا دھونے کی ترتیب قائم رکھنا۔
۱۳۔ اعضا کو پے در پے اس طرح دھونا کہ پہلا عضو سوکھنے نہ پائے۔
۱۴۔ کانوں کا مسح کرنا۔ ۱۵۔ ہر مکروہ بات سے بچنا۔

وضو کے مستحبات

وضو میں جو چیزیں مستحب ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چیدہ چیدہ مستحبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا۔ ۲۔ وضو کا پانی پاک جگہ پر گرانا
۳۔ اپنے ہاتھ سے وضو کرنا۔ ۴۔ اطمینان سے وضو کرنا۔
۵۔ انگلیوں کی پیٹھ سے گردن کا مسح کرنا۔
۶۔ کانوں کے مسح کے وقت انگلیاں، کان کے سوراخوں میں داخل کرنا۔
۷۔ ہر عضو کو دھوتے وقت بسم اللہ شریف پڑھنا۔
۸۔ ہر عضو کو دھوتے وقت ہر عضو کے دھونے کی دعائیں پڑھنا۔
۹۔ وضو کا برتن مٹی کا ہونا۔ ۱۰۔ کپڑوں کو ٹپکتے ہوئے قطرات سے بچانا۔

۱۱۔ بلا ضرورت وضو کرنے میں دوسرے سے مدد نہ لینا۔

۱۲۔ وضو کے برتن کو بائیں طرف رکھنا۔

۱۳۔ وضو کرنے کے بعد ہاتھوں کا نہ جھٹکنا۔ کیونکہ یہ شیطان کا پنکھا ہے۔

۱۴۔ دورانِ وضو باتوں سے پرہیز کرنا۔

مکروہاتِ وضو

درج ذیل امور وضو میں مکروہ ہیں۔

۱۔ وضو میں نجس جگہ پر بیٹھنا۔ ۲۔ نجس جگہ پر وضو کا پانی گرانا۔

۳۔ عورت کے وضو یا غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا۔

۴۔ مسجد کے اندر وضو کرنا۔

۵۔ وضو کے اعضا سے وضو کے پانی میں قطرے ٹپکانا۔

۶۔ قبلہ کی طرف تھوک یا کھنگار ڈالنا۔

۷۔ دورانِ وضو دنیاوی باتوں میں مشغول ہونا۔

۸۔ ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا۔

۹۔ بائیں ہاتھ سے کلی کرنا اور الٹے ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالنا۔

۱۰۔ دھوپ میں گرم ہونے والے پانی سے وضو کرنا۔

۱۱۔ جان بوجھ کر وضو کی کسی سنت کو چھوڑنا۔

نواقضِ وضو

درج ذیل چیزیں وضو کو توڑ دیتی ہیں۔

۱۔ پیشاب یا پاخانہ کرنا۔ ۲۔ ہوا کا خارج ہونا۔

۳۔ بدن کے کسی حصے سے خون یا پیپ کا نکل کر بہہ جانا۔

۴۔ منہ بھر کر قے (الٹی) کرنا۔

۵۔ اس طرح سو جانا کہ جسم کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں۔

۶۔ بے ہوش ہو جانا، غشی طاری ہونا۔

۷۔ کسی چیز کا اتنا نشہ چڑھ جانا کہ چلنے میں قدم لڑکھڑائیں۔

۸۔ بیمار آنکھ سے گدلا پانی نکلنا یا آنسو نکلنا۔

۹۔ رکوع اور سجود والی نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا۔

۱۰۔ مباشرتِ فاحشہ کا وقوع پذیر ہونا۔

[انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا سونا ناقضِ وضو نہیں۔ اس لیے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دِل بیدار رہتا ہے۔ (بہارِ شریعت۔ جلد دوم)

مسائل

۱۔ ہر قسم کے چھلے، نتھ، انگوٹھیاں، چوڑیاں وغیرہ اگر اتنے تنگ ہوں کہ ان کے نیچے پانی نہ گزر سکے تو انھیں اُتار کر ہر حصہ پر پانی پہنچانا ضروری ہے۔

۲۔ انگلیوں کی کروٹیں، گھایاں، تلوے اور ایڑیاں سب کا دھونا فرض ہے اگر خلال کیے بغیر اُنگلیوں کے درمیان پانی نہ گزرے؛ تو خلال بھی فرض ہے۔

۳۔ مسح کرنے کے لیے ہاتھ تر ہونا چاہیئے۔ کسی عضو کے مسح کے بعد ہاتھ میں جو تری باقی ہے وہ دوسرے عضو کے مسح کے لیے کافی نہ ہوگی۔

۴۔ ناک صاف کرنے کے دوران جما ہوا خون نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اگر بہتا ہوا خون نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

۵۔ وضو کے بعد ناخن تراشے یا بال کٹوائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

۶۔ وضو کرنے کے بعد ستر کُھل گیا یا بالکل ننگے بدن ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ نہاتے وقت ننگے بدن وضو کر لیا تو وضو صحیح ہوگا۔

عوام الناس میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اپنا ستر کُھل جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے یا ننگے

بدن وضو کرنا صحیح نہیں ہے یہ بات غلط ہے۔

سونے کے لیے، سونے کے بعد، میت کو نہلانے یا اُٹھانے کے بعد، جماع سے پہلے، غصہ آجانے کے وقت، زبانی قرآن شریف پڑھنے کے وقت یا علمِ حدیث اور دوسرے دینی علوم پڑھنے پڑھانے کے وقت یا دینی کتابیں اٹھانے کے وقت وضو کر لینا مستحب ہے۔

جھوٹ بولنے کے بعد، ہر گناہ کے بعد، توبہ کرتے وقت، کافر سے بدن چھو جانے کے بعد، جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کے بعد ان سب صورتوں میں وضو کر لینا مستحب ہے۔ سجدہ تلاوت قرآن شریف کو اٹھانے کے وقت وضو کرنا فرض ہے۔ خانہ کعبہ کے طواف کے لیے وضو کر لینا واجب ہے۔

تیمّم کا بیان

جب انسان پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو۔ تو اسے تیمّم کرنا چاہیئے ۔ عدم قدرت کی چند اہم صورتیں ہیں۔

۱۔ پانی کے استعمال سے بیماری کے اندر شدت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

۲۔ ٹرین یا بس سے اتر کر پانی استعمال کرنے میں گاڑی چھوٹ جانے کا خطرہ۔

۳۔ چاروں طرف ایک ایک میل تک پانی کا پتہ نہ ہو۔

ان مذکورہ صورتوں میں انسان تیمّم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔

طریقہ تیمّم

انسان طہارت کی نیت کر کے پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مارے۔ پھر پورے چہرے کا مسح کرے؛ یعنی ہاتھ پورے چہرے پر پھیرے کہ جس طرح وضو کے اندر انسان اپنے چہرے کو پانی کے ساتھ دھوتا ہے۔ پھر دوبارہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر بائیں ہاتھ سے دائیں کا یعنی الٹے ہاتھ سے سیدھے ہاتھ کا اور پھر دائیں ہاتھ سے بائیں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔ تیمّم مکمل ہوگا۔

تیمّم کے فرائض

۱۔ نیت کرنا کہ یہ تیمم وضو یا غسل یا دونوں کی پاکی کے لیے ہے۔

۲۔ سارے منہ پر اس طرح ہاتھ پھیرنا کہ بال برابر جگہ بھی باقی نہ رہے۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا۔ کہ بازوؤں کا کوئی حصہ مسح (ہاتھ پھیرے) بغیر نہ رہ جائے۔

مسائل

زمین کی جنس سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز مثلاً مٹی، پتھر، ماربل اور چونا وغیرہ سے تیمم جائز ہے یا لکڑی، کپڑا وغیرہ ایسی چیز جس پر اتنی گرد وغبار ہو کہ ہاتھ مارنے سے انگلیوں کا نشان بن جائے۔ اس سے بھی تیمم جائز ہے۔

تیمّم جن چیزوں سے ختم ہو جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

جس عذر کے باعث تیمّم کیا گیا اگر وہ ختم ہو جائے؛ یا جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا اور جن باتوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ بیماری میں اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے تو گرم پانی استعمال کرنا چاہیئے۔ اگر گرم پانی نہ ملے تو تیمّم کیا جائے۔ اگر سر پر پانی ڈالنا نقصان دہ ہے تو گیلا ہاتھ کر کے پورے سر کا مسح کریں۔

☆☆☆☆

علامہ بدیع الزمان نورسیؒ

اُنتیسویں اور اکتیسویں مقالے کی ذیلی بحث

شق القمر کے معجزے کے بارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَرَوْا آیَةً یُعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾(۱)

فلاسفہ جو کہ خود قمر جیسے روشن اور تابناک معجزے "شق القمر" کو اوہامِ فاسدہ کے ذریعے بگاڑنا اور گہنانا چاہتے ہیں، اور اُن کے مقلدین جو کہ فکر ونظر سے یکسر کورے ہیں، کہتے ہیں: انشقاقِ قمر کا واقعہ اگر ظہور میں آیا ہوتا تو تمام دُنیا کو اس کا علم ہوتا اور تمام انسانی تاریخیں اس کا لازماً ذکر کرتیں۔

الجواب: انشقاقِ قمر کا مشاہدہ دنیا کے تمام علاقوں میں ہونا لازم نہیں، اور اس کا ذکر بھی دنیا کی عمومی تاریخ میں ہونا لازم نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ رات کو ہنگامِ غفلت میں اچانک پیش آیا، اور اُن لوگوں کے لیے پیش آیا جنھوں نے نبوت کا دعویٰ سنا اور اس کا انکار کیا تھا، اور اس لیے ظاہر ہوا؛ تا کہ اس دعوے کی دلیل بنے۔ پھر یہ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تھا اُس وقت تہذیب ابھی عام نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ خصوصیت کا حامل رہا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان دنوں آسمانی رصد گاہیں بھی عام نہیں تھیں اور اس پر مزید یہ کہ اختلافِ مطالع، دُھند اور بادل وغیرہ جیسی دیگر رکاوٹوں کا وجود بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔۔۔

یہاں بہت سے نقاط ہیں، اُن میں سے پانچ نقطوں کو غور سے سُنو، یقیناً اِن سے شقِ قمر کے معجزے پر پڑے ہوئے اوہام کے بادل پراگندہ ہو جائیں گے۔۔۔

پہلا نقطہ: تاریخی طور پر یہ ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ اُس زمان ومکان کے کفار انتہائی شدید قسم کے ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ اور یہ کہ قرآنِ حکیم نے ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کہہ کر اس واقعے کے بارے میں تمام عالم کو خبر دی ہے، اور قرآن کے منکر کفار میں سے کسی ایک نے بھی اس آیت کی تکذیب میں زبان تک نہیں کھولی تھی، یعنی کسی نے اس واقعے کو جھٹلایا نہیں تھا جس کی خبر قرآن نے دی تھی۔ تو اگر یہ واقعہ قطعی اور اُس دور کے کفار کے ہاں ایک ثابت شدہ حقیقت نہ ہوتا تو وہ اسے انتہائی دہشت ناک طریقے سے جھٹلانے کے لیے فوراً میدان میں اُترتے اور نبی V کے دعوائے نبوت کو باطل ثابت کرنے کی تگ ودَو کرتے۔ لیکن سیَر وتاریخ کی کتابوں نے اُن کفار کا اِس واقعے کے انکار اور اصلاً عدمِ وقوع کے بارے میں ایک بھی قول نقل نہیں کیا ہے۔ بس تاریخی طور پر صرف وہی چیز منقول ہے جس کی وضاحت اس آیتِ کریمہ میں پائی جاتی ہے: ﴿وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار جنھوں نے یہ واقعہ دیکھا اُنھوں نے کہا: یہ جادو ہے، اور یہ کہ اس نے ہمارے سامنے جادو کا اظہار کیا ہے۔ اور اُنھوں نے کہا: اگر اِردگرد تمام اطراف میں پائے جانے والے قافلوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے تو پھر یہ حقیقت میں وقوع پذیر ہوا ہے، اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے، پھر یمن اور دیگر تمام اطراف سے آنے والے قافلوں نے صبح سویرے ہی یہ خبر دے دی کہ: ہم نے اس طرح کا واقعہ دیکھا ہے۔ پھر کفار نے فخرِ عالم V کے بارے میں کہا: حاشا! کہ ابوطالب کے یتیم کے جادو کی تأثیر آسمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔۔۔

دُوسرا نقطہ: سعد تفتازانی جیسے عظیم محققین نے کہا ہے: جس طرح آپ V کی اُنگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ نکلنے اور پورے لشکر کے اس سے سیراب ہونے کا واقعہ متواتر طریقے سے مروی ہے؛ اور جس طرح یہ واقعہ بھی متواتر ہے کہ کھجور کا وہ سوکھا تنا جس پر آپ خطبہ دیتے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے، وہ آپ کے فراق میں رو پڑا تھا اور اس کے رونے کی آواز وہاں موجود تمام لوگوں نے سنی تھی، اسی طرح شق القمر والا واقعہ بھی متواتر طریقے سے مروی ہے۔

متواتر کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں مسلسل ایک بڑی جماعت نے دوسری ایسی بڑی جماعت سے نقل کیا ہے کہ جس کا جھوٹ پر ایکا کر لینا ناممکن ہے۔ ان محققین کا کہنا ہے کہ یہ ویسے ہی متواتر طریقے سے مروی ہے جیسے کہ ہزار سال پہلے "ہالے" جیسا دُمدار ستارہ ظہور میں آیا تھا؛ اور اس کا وجود متواتر طریقے سے ایسے ہی قطعی ہے جیسے کہ "سراندیپ" کے جزیرے کا وجود جو ہم نے دیکھا نہیں ہے۔۔۔

پس اس جیسے چشم دید اور انتہائی قطعی مسائل کے باریک میں وہمی شکوک وشبہات پیدا کرنا صرف عقل کی تہی دامنی کا ثبوت ہے؛ دیگر ہیچ۔ اس ضمن میں صرف یہی بات کافی ہے کہ ایسا ہونا محال نہیں، اور یہ کہ چاند کا پھٹنا ایسے ہی ممکن ہے جیسے کہ آتش فشاں کی وجہ سے پہاڑ کا پھٹنا۔۔۔

تیسرا نقطہ: معجزے سے مقصود منکرین کو دعوائے نبوت کے اثبات کے لیے مطمئن کرنا ہوتا ہے نہ کہ انھیں مجبور کرنا، اس لیے اس کا اظہار اُن لوگوں کے سامنے ضروری ہوتا ہے جو دعوائے نبوت کو سُن رہے ہوتے ہیں، اور اس حد تک ہوتا ہے جس سے وہ مطمئن ہو جائیں، اسی بنا پر اس کا اظہار بدیہی طور پر اس طرح سے نہیں ہوگا کہ اِسے ہر علاقے میں دکھایا جائے، یا اس کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا جائے؛ کیونکہ یہ چیز اُس راز کے خلاف ہے جو لوگوں کو مکلّف کرنے میں پایا جاتا ہے، جیسے کہ یہ چیز حکیم ذُوالجلال کی حکمت کے منافی ہے؛ کیونکہ مکلّف کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ عقل کے لیے دروازہ کھول دیا جائے اور اس کے ہاتھ سے اختیار چھینا نہ جائے۔

اب اگر وہ فاطرُ الحکیم شق القمر کے معجزے کو ایک دو گھنٹے باقی رکھتا تاکہ؛ فلاسفہ کی خواہش کے مطابق؛ اسے تمام عالم پر آشکار کر دیا جائے، اور یہ عمومی انسانی تاریخوں میں منتقل ہو جاتا تو اُس وقت یہ دعوائے نبوت کی دلیل نہ بنتا اور رسالتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ساتھ اس کا کوئی خصوصی تعلق نہ رہتا بلکہ یہ آسمانوں میں رونما ہونے والے دیگر واقعات کی طرح ایک عام واقعہ ہوتا، یا پھر یہ ایک بدیہی معجزہ بن جاتا اور عقل کو بے اختیار کر کے خواہی نخواہی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور کر دیتا، اور ابوجہل جیسے کوئلہ نما اور ابوبکر جیسے ہیرے جیسی روحوں کے مالک ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے اور انسان کو مکلّف کرنے میں جو راز پنہاں ہے وہ ضائع ہو جاتا۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے یہ معجزہ اچانک، رات کے وقت اور غفلت کے سمے رونما ہوا، نیز اختلافِ مطالع دھند اور بادلوں جیسی دیگر رکاوٹیں اس کے لیے حجاب بن گئیں۔ بنابریں، پورے جہاں کے لیے اس کا اعلان نہ ہو سکا یا تاریخ کی کتابوں میں منتقل نہ کیا جا سکا۔۔۔

چوتھا نقطہ: بے شک یہ واقعہ مفاجاتی صورت میں پیش آیا اور اس وقت کہ جب ہر نفس ہنگامِ شب غفلت سے دوچار تھا، اس لیے بلاشک تمام اطرافِ عالم میں نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اور کوئی دیکھ بھی لیتا تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا اور کوئی بھی ان کی بات نہ مانتا، اور اگر وہ کسی کو مطمئن کر بھی لیتا تو خبرِ واحد کی وجہ سے ایسا اہم واقعہ تاریخی سرمایہ نہ بن سکتا۔۔۔

رہی یہ بات کہ چاند دو ٹکڑے ہونے کے بعد زمین پر اُتر آیا تھا، تو اس اضافے کو محقق علماء نے ردّ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ: اس بات کا احتمال ہے کہ اس تابناک معجزے کی قیمت گھٹانے کے لیے کسی منافق نے یہ ٹکڑا ساتھ ملا دیا ہو۔۔۔

اور مثال کے طور پر کہ اُن دنوں ہسپانیہ اور برطانیہ میں جن پر جہالت کی دھند چھائی ہوئی تھی، ان دونوں ملکوں میں غروبِ آفتاب کا ابتدائی وقت تھا۔ امریکا میں دوپہر کا اور چین اور جاپان میں صبح کا وقت تھا۔ اِسی طرح دیگر ممالک میں بھی دیگر موانع کی بنا پر اس کا مشاہدہ ممکن نہیں تھا۔۔۔

اب ذرا اس بے عقل معترض کو دیکھو جو کہتا ہے: چونکہ برطانیہ، چین، جاپان اور امریکا کی تاریخوں میں اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اس لیے یہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا ہے!۔۔۔ ہزار ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے جو یورپ کی کاسہ لیسی کر رہے ہیں۔۔۔

پانچواں نقطہ: شق القمر کا واقعہ کوئی اتفاقی یا بعض اسباب کی بنا پر خود بخود رُونما ہو جانے والا طبعی واقعہ نہیں ہے کہ اس پر اُن اسباب کے عمومی اور طبعی قوانین کا اطلاق کیا جا سکے، بلکہ شمس و قمر کو پیدا کرنے والے خالقِ الحکیم نے اپنے رسول کی رسالت کی تصدیق کرنے اور اس کے دعوے کو روشن کرنے کے لیے یہ واقعہ خارقِ عادت یعنی طبعی قوانین کے خلاف ظاہر کیا، چنانچہ دعوت وارشاد اور مکلف بنانے کے راز اور رسالت کی حکمت کے تقاضے کے مطابق، جن لوگوں پر ربوبیت کی حکمت نے حجت پورا کرنا چاہی اُن پر اِسے ظاہر کر دیا گیا۔ اور دیگر اطراف واکنافِ عالم میں جن لوگوں نے دعوائے نبوت کو سنا ہی نہیں تھا اور جن کے بارے میں اس حکمت کے راز نے چاہا نہیں تھا، ان پر بہت سے آڑے آ جانے والے اسباب کی

وجہ سے اِسے مخفی رکھا گیا، جیسے کہ دُھند، بادل، اختلافِ مطالع وغیرہ؛ اور بعض ملکوں میں چاند طلوع نہیں ہوا تھا، اور بعض ملکوں میں سورج طلوع ہو گیا تھا، بعض میں دو پہر کا وقت تھا، بعض میں سورج غروب ہو رہا تھا وغیرہ۔۔۔اور بعض ملکوں میں چاند طلوع نہیں ہوا تھا۔ پس اگر یہ اُن سب لوگوں پر بھی آشکار ہو جاتا تو یا تو اشارۂ محمدی اور معجزۂ نبوت کے نتیجے کی حیثیت سے ہوتا، تب آپ V کی رسالت درجہ بداہت کے دائرے میں داخل ہو جاتی، اور یوں ہر کوئی اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا اور عقل بے اختیار رہ جاتی اور نتیجتاً

مکلف بنانے کا راز ہی ختم ہو جاتا۔۔۔اور اگر اس کا اظہار ایک عام آسمانی حادثے کے طور پر ہوتا تو رسالتِ محمدی کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہ رہتی اور اس کا خصوصی طور پر اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہتا۔۔۔

الحاصل: شق القمر کے امکان میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے، اور یہ قطعی طور پر ثابت بھی ہو چکا ہے۔۔۔

اور اب ہم اس کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرنے والے بہت سے دلائل میں سے چھ دلیلوں (۱) کی طرف اشارہ کریں گے۔۔۔

اور وہ اس طرح کہ: اس کے وقوع پر صحابہ کرام کا اجماع؛ جو کہ سب کے سب عادل ہیں۔ آیتِ کریمہ ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کی تفسیر میں تمام محقق مفسرین کا اس کے وقوع پر اتفاق؛ تمام محدثین کا اس کے وقوع کے بارے میں مختلف طرق اور بہت سی اسانید کے ساتھ صحیح اور سچی روایات کو نقل کرنا اور تمام اہلِ کشف و الہام، اولیاء و صدیقین کی شہادت اور مسالک و مشارب میں اختلاف رکھنے کے باوجود علم الکلام کے متبحر آئمہ کرام کی تصدیق اور امتِ محمدیہ کا اس واقعہ کو بالاتفاق قبول کر لینا۔ وہ اُمتِ محمدیہ کہ جس کا نصِ قطعی کی رُو سے گمراہی پر اجماع نہیں ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شق القمر کا واقعہ سورج کے وجود کی طرح ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

الحاصل: یہاں تک جو بحث ہوئی ہے تحقیق کے نام سے اور مدِ مقابل کو جواب دینے کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اب اس کے بعد جو گفتگو ہو گی وہ حقیقت اور ایمان کی رُو سے ہو گی۔۔۔

جی ہاں: تحقیق اسی طرح کہتی ہے۔۔۔اور جہاں تک تعلق ہے حقیقت کا؛ تو وہ کہتی ہے۔ جس

طرح خاتم دیوانِ نبوت جو کہ آسمانِ رسالت کا قمر منیر ہے، معراج کے ذریعے زمین و آسمان کے باسیوں کے لیے اُس کی اہمیت، برتری اور محبوبیت کا اِظہار اور اس کی ولایت کا اثبات کیا گیا؛ یعنی کہ یہ کام ایک ارضی جسم کو آسمانوں میں چلا کر کیا گیا جو کہ اُس کی درجہ محبوبیت کی بلندی تک پہنچ جانے والی عبودیت میں پائی جانے والی ولایت کے لیے معجزہ کبریٰ اور کرامتِ عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ اسی طرح اُس نے آسمان میں معلق، اور زمین سے مربوط چاند کو ایک ارضی یعنی زمین کے باسی کے اشارے کے ساتھ دو ٹکڑے کر دیا، اور اس طرح سکّانِ ارض کے لیے اس ارضی رسالت کے لیے ایک معجزے کا ظہور ہو گیا، اِس طرح کہ ذاتِ محمدی اَوجِ کمالات تک پرواز کر گئی، حتیٰ کہ اپنے رسالت اور ولایت جیسے روشن اور چاند کے دو روشن اور کُھلے بازوؤں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے دو تابناک بازوؤں یعنی قاب قوسین تک کی بلندی پر چلے گئے؛ اور اِس طرح زمین و آسمان کے باسیوں کے لیے فخر کا دار و مدار ٹھہرے۔۔۔

عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلاةُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ، مِلْءَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ...

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّامَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مَنْ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِهٖ اِجْعَلْ قَلْبِیْ وَ قُلُوْبَ طَلَبَةِ رَسَائِلِ النُّوْرِ الصَّادِقِیْنَ کَالْقَمَرِ فِیْ مُقَابَلَةِ شَمْسِ الْقُرْآنِ آمِیْنَ آمِیْنَ

☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ اقدس روضہ مبارک حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی (تونسہ شریف)

بہشتی دروازہ (خانقاہِ معلیٰ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر (پاکپتن شریف)

حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ

کے عرس مبارک 2016ء کا ایک رُوح پرور منظر

QINDEEL-E-SULEMAN